مضامین

جنکو

راجہ شیو پرشاد صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ نے واسطے امتحان
داخلہ یونیورسٹی کلکتہ بزبان اردو نثر انتخاب کیا تھا اور حسب فرمائش
سینیٹ یونیورسٹی موصوف مطبع سرکاری الہ آباد میں کئی دفعہ طبع
ہوئے تھے اب باضافہ

مضامین دلچسپ و سودمند و نتیجہ خیز یعنی۔ روایات[۱] مزار خواب[۲] پریشاں
عاصم[۳] کی کہانی۔ جنکو مولوی سید تصدق حسین صاحب رضوی نے
مطبوعہ اودھ اخبار سے منتخب کیا اور مسودہ کی نظر ثانی فرمائی

واسطے

تعلیم طلبۂ علوم و ملاحظۂ صاحبان علم و فن کے
مطبع منشی نول کشور مقام کانپور میں طبع ہوئے

ماہ جولائی سنہ ۱۸۸۶ع

1st Edition 3000 copies پہلی دفعہ ... ۳۰۰۰ جلد

Price per copy 7 annas / قیمت فی جلد ۷؍

فہرست منتخبات اردو (نثر)

سکنتلا کا انتخاب

کہتے ہیں کہ اگلے زمانے میں وسوامتر نامی ایک بڑا تپسوی تھا راجہ اندر کے کہنے سے مینکا پری نے چھل کرکے اُسے موہ لیا جب مدت پوری ہوئی تو ایک ماہرو لڑکی جنی تھر یہ ہو کہ بیری سے نہ چھاتی لگا کر اسے دودھ دیا بے اُلفتی سے نہ ایک دم گودی میں لیا نسل انساں کی جان محبت ذرا نہ کی اور وہیں ٹپک کر اُسے اتنی بات کہی کہ جسے ہماری ذات میں کوئی نہ رکھے اُسے کیوں اللہ نے دیا۔

بات یہ جون† نکلی لب سے کہاں ہو وہ پیچتاب ‌ ‌ ‌ اُڑ گئی آئی جدھر سے تھی بچندیں اضطراب

وہ تو گئی اُدھر یہ رہی اِدھر اب آگے داستاں کا یوں بیاں ہو کہ اس جنگل میں سوا خدا کے اُسکا کوئی خبر لینے والا نہ تھا پر ایک پکھیرو اُسپر اپنے پروں کا سایہ کیے تھا اِس سے اُسکا نام سکنتلا* ہوا وہاں پڑی ہوئی وہ روتی تھی آنسوؤں کے موتی پلکوں میں پروتی تھی

† اب جون ظرفیہ کی جگہ جب بولنا صحیح جانتے ہیں +

* یہ لفظ مرکب ہو سکنت शकुन्त اور ला سے سکنت سنسکرت میں پرندے کو کہتے ہیں اور لا وہی لفظ ہو جسکا مصدر لاتا بنایا گیا ہو جو کہ معنی اس لڑکی کو پرندے کے سائے میں سے اُٹھا کر لایا تھا اس سبب سے اُسکا نام سکنتلا مقرر ہوا اور بعض آدمیوں کا یہ قول ہو کہ اس خاص مقام میں لا کے معنی پرورش کے ہیں جو کہ پرندے نے اپنے سائے میں اُس لڑکی کی پرورش کی تھی اسواسطے اُسکا نام سکنتلا ٹھہرا +

دودھ کے لیے منھ پسار رہی تھی ہاتھ پانوں مار رہی تھی کہ پروردگار عالم نے اپنا فضل کیا جو کن منی کہین نہانے کو چلے تھے جوں اسطرف سے ہو نکلے دیکھا کہ یہ کیا قدرتِ الٰہی ہی جو اس صورت سے نظر آتی ہی۔

اُس نوگلِ چمن کو گلستاں سے دور دیکھ		حیران برنگِ بلبلِ تصویر ہو گئے
غلطاں دُرِ یتیم سی تھی لیک خاک پر		غلطانی اُسکی دیکھکے دلگیر ہو گئے

اُسپر اُنھین نہایت ترس آیا دوڑ کر خاک پر سے اُٹھایا گودی میں لیکر کہنے لگے یہ پری جن یا کسی قوم کی ایسی خوبصورت لڑکی ہی کہ دیکھی ہی نہ سُنی کچھ کہا نہین جاتا اور کچھ سمجھ مین نہین آتا کسنے اس جنگل مین لاکر خاک کے اوپر اُس چاند کے ٹکڑے کو ڈال دیا تھا اُسے چھاتی سے لگائے ہوئے یہ دل مین سوچ بچار کرتے گھر کو پھرے مکان مین پہونچتے ہی اپنی بہن گوتمی کو اُسکی صورت دکھا کر پیار سے کہا کہ جی لگا کر بہت اچھی طرح پرورش کرتی رہیو ایسا نہو کہ کسی طور سے کوتاہی ہو لڑکی کی جو وہ صورت اُسنے دیکھی اور بھائی کی اُسکے حق مین یہ مہربانی کی باتین سُنین پہلے اُسکی بلائین لین پھر گود سے لیکر اپنے گلے لگا پالنے لگی دن رات چھاتی پر اُسے لٹاتی تھی مہر و محبت سے دودھ پلواتی تھی وہ اس صورت سے پلتی تھی اور جتنے اُس جنگل کے تپسوی تھے سب اُسکو پیار کرتے تھے سبکی وہ پیاری تھی اُن سبھوں میں مشہور تھا کہ یہ کن کی بیٹی ہی دن بدن وہ بڑی ہوتی تھی اور تخم محبت ہر دل مین بوتی تھی اور بھی دو لڑکیاں وہاں تھین ایک کا نام انسویا تھا دوسری کا پریم ودا تینوں پرورش پا کر جب بڑی ہوئیاں[+] آٹھ پہر ساتھ کھیلنے لگیاں اُن سبھوں کو آپس مین ایسا پیار اخلاص تھا گویا ایک جان اور

+ صیغہ واحد مونث کے آخر مین الف نون لاحق کر کے جمع مونث بنانی اب اہل فصاحت کے نزدیک غیر مناسب ہے صرف نون غنہ چاہئے ہر۱۲

جدا قالب تھا خدا نے اپنے دست قدرت سے اُن تینوں کے سراپا میں سراپا خوبیاں بھر دی تھیں ✦

بھویں جبکہ غصے میں تھیں تانتیں	جگر تیر مژگاں سے تھیں چھانتیں
تلطف سے جس دم کہ وے ہنستیاں	تو زاہد کو بھی سوجھتیں مستیاں

ہر ایک کا دو پری سا چہرہ جو نظر آتا کوئی تو غش کھاتا اور کوئی دیوانہ ہو جاتا ✦

جو زلفیں تھیں زنجیرہ پائے جنوں	کفِ پائے رنگین تھیں سر گرم خوں

اگرچہ ظاہر میں وے سب ہی سر سے پانوں تک تمام حسن و جمال اور ناز و ادا تھیں لیکن حقیقت میں وہ شعلہ بھبوکا کہ جسکا نام سکنتلا تھا اپنے ایک جلوے سے دل و جاں دونوں جہاں کا پھونک دیتی تھی شہرہ اسکی گرم بازاری کا دھوم اسکے حسن عالم سوزکی ایسی تھی کہ آفتاب عالمتاب کو ایک ذرہ اسکے آگے تجلی نہ تھی ۔

کہاں تک بیاں اسکی ہوں خوبیاں	سراپا تھیں اسمیں خوش اسلوبیاں

القصہ کن منی نے ایک دن اُس نازنین سے یہ بات کہی اب میں تیرتھ کرنے کو جاتا ہوں تھوڑے سے دنوں میں نہا کر پھر آتا ہوں تب تک تو چین و آرام سے یہاں خوش رہیو جو کچھ مطلوب ہو گوتمی سے کہا کریو وہ تیری خاطر حاضر کیا کریگی اور جاں و دل سے صدقے قرباں ہو کر سر سے پانوں تک تیری بلائیں لیا کریگی پر جو کوئی تپسوی یہاں آوے آدر کر پانوں پڑیو اور اسکی خدمت کیجیو جہاں تک تجھسے ہو سکے کوتاہی مت کیجیو اس اس طرح وہ اُسے سمجھا سمجھا نصیحت و لاسا دے روانہ ہوا اور وہ آتش کا پرکالا اندھیرے گھر کا اجالا شیریں منش لیلیٰ روش طلسم حسن و جمال کے گنج کا یعنی سکنتلا برنگ گل جسکی جگہ چاہیے تھی چمن میں رہی اسی بن میں

نیا عالم اپنا دکھاتا تھا بن بن		شروع جوانی اور اُسکا وہ جوبن

جتنے اُس دشت کے چرند و پرند تھے وے اِسکے دام محبت کے پابند تھے اور وہ خدمت میں منی لوگوں کی مشغول تھی ۔

چار و ناچار اپنے دل کو بہلاتی تھی کبھی ہرن کے بچوں کو دانہ کبھی درختوں کو پانی دیا کرتی اور خاطر اُسکی ہر آن گوتمی ہر ہر طور سے کیا کرتی کس کی سفارش کے سوا وہ خود اُسکی فرمانبردار بلکہ جان نثار تھی اور وے دونوں سکھیاں اُسکا مُنھ دیکھتی رہتیاں+ تھیں جب جوانی کی اُمنگ نے عالم کچھ اور دکھایا شوخیاں نئے نئے طور کی اس نازنیں میں سمانے لگیں

کبھی ٹھوکر سے پامال کیا ہر اک آن میں آن تھی اور کچھ	کبھی ہنس بول کر نہال کیا نہ تھا دلربائی کا اک طور کچھ

ہر روز جوبن اُسکا اس اس چمک سے بڑھتا تھا کہ چودھویں رات کے چاند کو بھی مکھڑا دیکھ کے چکا چوندا آتی تھی اُس جنگل میں اُسکے حسن کی یہ جھلک تھی کہ ہزار پردوں میں چھپائے نہ چھپے اس حسن و جمال پر اب بیان اُسکے پہناوے کا جو کیجیے تو سنگریزے گل جس میں اپنے گریبان پھاڑیں اور گلا اُنکا دیکھکر معدن و دریا میں جہانتک گوہر ہیں حسرت سے اپنے تئیں جوہر+ کریں

+ اب اسکی جگہ دیکھتی رہتی تھیں بولنا فصیح ہی ۱۲

+ جب اہل اسلام ہندوؤں پر چڑھائی کرکے آتے اور ہندو اُنکا مقابلہ نکر سکتے تو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ اُنھوں نے اپنے زن و فرزند کی گردنوں پر چھری پھیر دی یا اُنھیں آگ سے جلا دیا اور آپ بھاگ گئے یا ہلاک ہوے یہی زن و فرزند کا قتل کرنا اُن لوگوں کی اصطلاح میں جوہر کہلاتا ہی اِس صورت میں فقرے کا مطلب یہ ہی کہ معدن و دریا میں جسقدر گوہر ہیں اُسکا گلا دیکھکر حسرت سے اپنے تئیں ہلاک کریں کہ ہاے ہم اُسکے گلے میں کیوں نہوے اہل لغت فارسی نے اس باب میں اختلاف کیا ہی کہ جوہر جو اس اصطلاح میں مستعمل ہی بضم جیم عربی ہی یا بفتح اور یہ اختلاف اور تنازع بالکل بے اصل معلوم ہوتا ہی اسواسطے کہ ہندو لوگ اُسوقت کہ جب پہلے پہل لشکر اسلام کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کی زبان عربی اور فارسی ہندوستان میں جاری نہیں ہوئی تھی لفظ جوہر جو گوہر کا معرب ہی کیونکر بولنے لگے تھے اصطلاح ٹھہرنی تو بڑی بات ہی اس لفظ کی اصل جیوہر معلوم ہوتی ہی جیو سنسکرت میں دل کو کہتے ہیں اور ہر کے معنی لینے اور چرانے کے ہیں وراسی سے ہرنا مصدر بنا یا گیا ہی جب وہ لوگ اپنے زن و فرزند قتل کرتے تھے تو جیوہر بولتے تھے یعنی الکاجی لو اور اگھوی قتل و

اگرچہ حسن خداداد لباس و زیور کے بند سے آزاد ہی کہ اس سے اسکی خوبی ہی نہ اس سے اسکی محبوبی لیکن بظاہر خوشنما ہی اور باطن میں تو دل کی لبھانے والی ہر آن ادا ہی کہتے ہیں کہ اسکے بدن کی پوشش ہرن کی کھال تھی اور پوت کا بھی گلے میں ہار تھا تب بھی گویا ہزاراں ہزار بناؤ تھا لیکن جوں جوں وہ جوانی پر آتی تھی توں توں خوبصورتی اور سماں دکھاتی تھی جس کسیکی آنکھ اسکے چاند سے مکھڑے پر پڑتی بے اختیار وہ یوں کہتا تھا

لگا دے چاند سارا ایک چہرے کے بنانے کو		مصور گر تری تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے

یہاں اسکی یہ صورت تھی اور منی وہاں جو راہ چلا جاتا تھا یہی اسکے دل میں سوچ بچار تھا جیسی وہ قبول صورت ہی ویسا ہی کوئی مقبول پری پیکر ماہ جمال اسکا جوڑا ہو تو دونوں ماہ و مشتری کے مانند وصل کے برج میں قران پاویں

یکایک سنو اور قدرت خدا کی

ایک دن راجا دشینت کسی جنگل میں شکار کو نکلا تھا ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا اپنی فوج سے ایسا آگے نکل گیا کہ اسکی سپاہ جو گرد و پیش تھی بہت پیچھے رہ گئی جب آس پاس اپنے آدمیوں میں سے کوئی نظر نہ آیا اور دوپہر کی دھوپ سر پر پڑی اور وہ ہوائے گرم بدن کو لگی تب بیتاب و بیقرار ہوا اور وہ ہرن کہ چھلاوے کی طرح نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا اس جنگل میں کہ سکنتلا کی جہاں بود و باش تھی نمودار ہوا راجہ نے جھنجلا اور طیش کھا تیر کو کماں کے چلے سے جوڑ کر چاہا کہ اسے نشانہ کرے ہنوز تیر قبضہ سے کماں کے سرکنے نہ پایا تھا کہ آواز آئی تم راجہ ہو اور ہم جتنے جنگل کے جوگی تپسوی اور جتنے رہنے والے ہیں کیا چرند کیا پرند تمہارے سائے میں بستے ہیں سبھوں کے تم رکھوالے ہو اے مہاراج ہمارے تپ بن کا

ہرن شکار مت کرو

جب جوگیوں منیوں تپسویوں کی راجا نے یہ بات سنی ہاتھ رکھ گھوڑے کی
باگ لی اُن سب رشیوں نے آشیرباد دیا راجا نے انگوٹھ دنڈوت کرکے یہ پوچھا کہ کا
یہاں مکان کونسا ہی ہم جاکر درشن کریں اور اُنکے قدم لیں یہ سُنکر وے سب
خوش ہوئے اور استھان اُنکا پاس بتایا اور کہا تھوڑے سے دن ہوئے ہیں کہ منی
تیرتھ کو گئے ہیں اُنھوں نے ایک لڑکی کو بیٹی کرکے پالا ہے سو وہ اُنکے مکان ہیں
ہی جو مہاراج آپ وہاں تلک جاوینگے تو کس منی تیرتھ سے آنکر سکنتلا سے یہ بات سن
بہت خوش ہووینگے راجا کے دل ہیں آگئی گھوڑے کو وہیں چھوڑ پاؤں پاؤں
اُنکے استھان تک گیا اسیں وہنی آنکھ جوں پھڑکی دل ہیں شاد ہوا کہ شگون اچھا ہی پاؤں
جب آگے دھرا اُسکا یہ پھل پایا کہ چھوٹی چھوٹی عمروں کی تین نازنین نظر آئیاں لیکن اُنھوں میں

	جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی	

جمال و حسن و خوبی ایک ایک کی شہرۂ عالم جور و جفا و ستم میں ایک سے
ایک اظلم لیکن جب دیدۂ غور و چشم تحقیق سے دیکھا ایک اُنمیں ایسی نازنین ہی
کہ جسکے گل سے چہرے پر زلفیں جو سنبل سی ہوائے جنبش میں ہیں تو کمر لچکی جاتی ہی
اُس سے جس رعنائی میں عجب بہار ہی اور ہر ایک اُن دونوں میں سے نسیم و صبا سی مشتاق
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ

صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ		ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ

وہ اُسکا ایسا محو دیدار ہوا کہ بیخود ہوکر خاک پر گرا اور اپنے تن بدن کی کچھ خبر نرہی کتنی
ایک دیر کے بعد جس تس طرح سے جوں آپ کو سنبھالا تو دیکھا کہ وہ نازنین اپنے
ہاتھوں سے گھڑے پانی کے بھر بھر پودوں میں دے رہی ہی وے دونوں اُسکے

ساتھ کی سکھیاں بھی اُسی طرح پیڑوں کو سینچتی ہیں جاں کر یہ بھی ایک طور کی بندگی خدمت اور پروش دختونکی کرتی ہیں اُن گل اندا موں کے موے سر سے کہ سراسر غیرت سنبل ہیں قطرے شبنم کے سے ٹپک رہے ہیں اور تمام پسینے پسینے ہو رہیاں ہیں گو یا پسینے کے دریا میں غوطہ مارنکلیاں ہیں وے صورتیں مورتوں سی بار بار سر کاندھے کر سے گھڑے لے لے آیاں ہیں سانسیں چڑھ چڑھ جاتیاں ہیں اور مُنھ اُتر اُتر جاتا ہی چہروں پر اُنکے ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا ہی کبھی نزاکت+ سے پانوں بیٹھ جاتا ہی کبھی بوجھ سے بید کی مانند سارا بدن تھر تھراتا ہی

نہ تھا اُنکو وہ رنج راحت سے کم ۔۔۔ ہر ایک آن کرتی تھیں چہلیں بہم

درختوں کی چھانوں میں کھڑے ہو ہو کر اپنے اپنے جوبن پر ایک ایک مغرور تھی لیکن اُن سبھوں میں سکنتلا اپنے حسن و ادا میں بہت دور تھی چمکاوٹ اُسکے چہرہ کی عجب جلوہ دکھاتی تھی اور زلفیں بکھری ہوئیں مُنھ پر اُسکے اس رنگ سے نظر آتیاں تھیں جیسے نمود دھوئیں کی شعلے پر ہوتی ہی یا جیسے کچھ کچھ گھٹا سورج پر آجاتی ہی نگاہ بجلی تھی کہ نظروں میں کوند جاتی تھی اُس تپ میں میں اس رنگ و روپ سے سماں بندھا تھا

خجل دیکھکر اُسکو ہوتا تھا ماہ ۔۔۔ ٹھہرتی نہ تھی مہر کی بھی نگاہ

غرض کہ وہ کس کے مکاں میں با ایں جلوہ افروزی ہر روش سے نونہالوں کو نہال کرتی تھی راجا نے اُسے دیکھکر تعجب سے کہا کہ اگر ہم اسے سرسوتی کہیں تو بیں اسکے کاندھے پر کہاں ہی اگر گورا پاربتی کہیں تو بھی نہ کہ سکیں کہ

+ عربی مصدروں پر قیاس کر کے یہ مصدر بھی بنا لیا ہی ورنہ قاعدے کے موافق صحیح لفظ نازکی ہی ۱۲

آدھا انگ مہادیو کا آدھا انگ اُنکا ہی پاکھمی کہیں تو کیونکر کہیں وہ چھاتی پر بشن کی رہتی ہی
ایک دم اُنسے جدائی نہیں سہتی اگر رمبھا یا مینکا یارت سوچیں تو وے جانیں ہیں
یہ جو اُسکے نئے جوبن کا س و سال ہی وے کب رکھتیں* ہیں

اتنے میں سکنتلا سے دونوں سکھیاں پوچھنے لگیاں تو جو اِن درختوں کو سینچتی رہتی ہی
کیا منی کو یہ تجھ سے بھی بہت پیارے ہیں تو تو اُنکی جان سے بھی چاہتی زیادہ ہی سو
تجھکو اُنھوں نے کیوں اُنکی خدمت کو مقرر کیا ہی خدا نے تجھے یہ شکل و شمائل دی ہی
کہ کوئی حسن و ادا میں تیرے مقابل نہیں یہ نزاکت اور کامنی پن تیرا کہ لوگ چشم و دل
اپنے تیری راہ میں فرش کرتے ہیں پانوں تیرے اپنے سر پر دھرتے ہیں تیرا
بدن اس محنت و مشقت کے لائق نہیں

سکھیوں نے جب ایسی باتیں کہیں سکنتلا نے جواب دیا میں آپ دل و جان
سے پرورش کرتی ہوں آخر ایک دن اسکا پھل پاؤنگی جو کوئی چھانوں میں اُنھوں
کی آکر بیٹھیگا مجھے یاد کریگا کچھ منی کے کہنے سے خدمت اُنکی نہیں کرتی ہوں بلکہ میں
آپ دھیان* اُنپر دھرتی ہوں مجھکو خود الفت ہی یہ کہکر پھر اُسی اپنے کام میں لگی تب
ایک بھونرا پھولوں پر سے اُڑکر مُنھ پر منڈلانے لگا اور خوشبو پاکر اُسکے نازک نازک
ہونٹوں پر جو گلاب کی پتی سے تھے پھرتا تھا اُڑ جاتا تھا پھر آبیٹھتا تھا تب جھجھک کر اور
گھونگٹ کرکے سکھیوں کی طرف دوڑی اور وہ بھونرا بھی گونجتا ساتھ لگا رہا

دیکھکر بھونرا بر رنگ گل وہ اُسکا روے خوش	گرد تھا اور لے رہا تھا اُنکی ہردم بوے خوش

* اب ایسے فعلوں میں پہلا جز بصیغۂ مفرد اور دوسرا بصیغۂ جمع لکھتے ہیں صرف دوسرے ہی جزو کا جمع ہونا کل لفظ کے جمع مونث ہونے پر دلالت کرتا ہی اس صورت میں رکھتیں ہیں کی جگہ رکھتی ہیں چاہیے ۱۲
* دھیان خیال نظر نگاہ اور اور اسی قسم کے لفظوں کے ساتھ فصحاے دہلی ب دھرنا نہیں بولتے رکھنا بولتے ہیں ۱۲

پھر چلائی کہ سکھیوں تم میرے پاس آؤ اس بدبخت سے میرے تئیں چھڑاؤ یہ ہونٹوں پر میرے منڈلار ہا ہے ٹالے سے نہیں ٹلتا ہے اس سے میرا بس نہیں چلتا ہے سنتے ہی سکھیاں دوڑیں آئیاں اور یہ رنگ دیکھ ہنس ہنسکر کہنے لگیاں کہ ہمیں تو نے ناحق بلایا اس بیری سے ہم کیونکر بچاویں راجا دشینت سے فریاد کر وہ اس تپ بن کا رکھوالا ہے

راجا کا نام سنتے ہی پکار اٹھی اور وہ ان درختوں سے نکل پاس آکر کہنے لگا یہ کہو تمہیں کسنے ستایا راجا کو دیکھتے ہی یہ بن مول بک گیاں اور شرم کے مارے گھونگٹ کرکے جھک جھک گیئیں کچھ ڈریں گھبرائیں بیقراری سے ایک جاگہ* کھڑی نہ رہ سکیاں حیرت سے آگے بھی پانوں نہ پڑ سکا ہیچک سی ہوگیئیں کچھ نہ بول سکیں تب انہیں سے انسو یا نے دل کڑا کر راجا کو جواب دیا کہ جسکی دہشت سے ظلم کا تو نام نہیں لیتے اور عدل یہ ہے کہ گاے اور شیر ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں اس تپ بن میں رشی اور تپسوی لوگ چپ تپ کرتے ہیں کوئی درندگزند نہیں دیتا کسی کو آج تک نہیں ستایا یہ بھولی داں ہے نادانی اور بھولے پن سے بھونرے کو دیکھ پکار اٹھی ہم اسکے راج میں نڈر ہیں کون ہمیں ستا سکے اور کون آنکھ دکھا سکے۔

یہ سنکر راجا نے کچھ اپنے تئیں جتا اور مسکرا سکنتلا کی طرف دیکھکر پوچھا کہ تمھارے نونہال درخت سرسبز اور ہرن کے بچے اچھے ہیں اتنی بات کے سنتے ہی اسکے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور سارا بدن شرم کے مارے کانپنے لگا منہ سے کچھ بات نہ نکلی حیا کے مارے نیچی نظریں کرلیں تب انسو یا نے اسی قرینے سے تھوڑا سا دریافت

* اب جاگہ کی مقام پر جگہ بولنا فصیح ہے ۱۲

کر کے بخاطر داری اُنکی طرف سے یہ کہا کیوں نواب خیر ہماری جو تمسے نیکبخت رکھو اسلیے ہوں تم جو پاؤں پاؤں یہاں دوڑے آئے ہو پسینا تمھارے مُنھ پر آگیا ہے درختوں کی چھاؤں تلے دم لو ہم تمھارے ہاتھ پاؤں دھوویں ہم نے قسمت سے تمھارے قدم دیکھے آج کے دن تم ہمارے مہماں ہو سکنتلا سے کہا تو کیوں ناداں بنی ہے ٹھنڈا پانی لا اس اپنے مہماں کو پلا راجا نے مسکرا کر کہا ہمیں کچھ درکار نہیں تمہیں دیکھکر ہمارا کلیجہ ایسا ٹھنڈا ہوا کہ بھوک پیاس سب جاتی رہی تمھاری میٹھی میٹھی باتوں سے یہ جتنے مزہ پایا کہ یہی ہماری مہمانی تھی تم بھی پانی سینچتے سینچتے تھک رہی ہو سب ملکر ان درختوں کی چھاؤں میں بیٹھو اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لو تب ہنسکر انسویا سکنتلا کی طرف دیکھکر بولی ہمارے بہال انو تھے مہماں آئے ہیں سب باتیں مس بھائی کہتے ہیں انکا ڈر کچھ مت کر انکی باتوں پہ کان دھر سکھیوں کی سُنکر یہ باتیں حس واداکی کر کے گھاتیں راجہ اور سکنتلا چھانوں میں درختوں کی بیٹھے ایک کی طبیعت ایک کی طرف آئی ہوئی اور مہر و محبت دل میں سمائی ہوئی قسمت سے انکی دونوں کی اس جنگل میں ملاقات ہوئی دونوں کے دل کی گرہ کھلنے کی کیا اچھی بات ہوئی

گرہ جوں غنچہ ہر دل کی ہوئی وا — بہم دونوں گل و بلبل سے تھے گویا
وہاں بیٹھے جو تھے دے خرم و شاد — بہم قیدِ دو عالم سے تھے آزاد
نظارے میں تھا گو سر گرم دیدہ — و لے آپس میں تھا ہر اک ندیدہ

ایک ایک سکھی انھیں دیکھ دیکھ محو دیدار تھی ظاہر میں سکنتلا دزدیدہ نگاہوں اور نیچی نظروں سے راجا کو دیکھ رہی تھی تب راجا نے اُنسے یہ بات کہی تم تینوں کا بھلا سنجوگ بنا ہے رنگ روپ ایک نیا عمریں برابر جانیں ایک بدن جدا جدا ہے یہ راجا کی انمول باتیں

سنکر انسویا بولی دھن ہے اُس دیس کو جہاں سے تم آئے ہو منیوں کے جگ میں جو
دیو خلل کرتے ہیں تمنے بچایا صاف کہو تم کون ہو دیو یا گندھرب ہو کچھ تو ہمیں بتاؤ
مہربانی کرکے ہمارے دل کی تو بدھا مٹاؤ اور اپنا نام جتاؤ

راجا نے کہا ہمیں راجا دشنیت نے بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ رکھی لوگوں کی خدمت
اور رکھوالی کیا کرو رات دل تپ بن میں ہم پھرتے ہیں راجا دشنیت کے چاکر
ہیں یہ بات کہکر راجا چپ رہا اگرچہ اُسنے صاف اپنا نام نہ بتایا در پردہ یہ بات کہی پر
انسویا کو یقین ہوا کہ راجا یہی ہے تب ہنسکر کہنے لگی اب منی سب بخت ہوے کہ اپنا
رکھوالا اور خاوند سر پر رکھتے ہیں تم جیسا رکھوالا جو سر پہ آیا بھلا تمنے آکر ہمیں درس دکھایا
ہم لوگوں کو نوازا اسکی باتوں سے اُسنے بہت مزہ اُٹھایا اور لذت پاکر اس سے
اور دوسری سکھی سے کہا سکنتلا کو خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے یہ جو ایسی نازک
اندام قبول صورت ہے منی اسکی شادی کرویگا یا صاحب کی بندگی کروا ویگا ریاضت
کیونکر ہوگی اس سے اُٹھ نہ سکے بار نزاکت جس سے

یہ ایسی نظر آئی نازک بدن		گرانی کرے جسپہ بوے سمن

انسویا نے جواب دیا کہ منی نے اپنے دل میں ٹھانا ہے جیسی سکنتلا ہے جو کوئی
ویسا ملیگا اور یہ بھی اُسے قبول کریگی اُس سے ہم شادی کر دینگے ۔

بات یہ جب زباں پر آئی		وہ گل اندام مسکے شرمائی

راجا بولے سکنتلا جیسی ہے ویسا تو ملنا معلوم اسکا ثانی دنیا سے ہے عدوم
جس گلبدن سے اسکے دل کا کنول کھلیگا ایسا باغ جہاں میں نایاب کہاں سے ملیگا تمام
ملکوں میں منی ڈھونڈا کریگا اور ساری عمر اسی آرزو میں مریگا ۔

نہ پاویگا کوئی ایسا جہاں میں		زمیں سے جائیگا گر آسماں میں

سکنتلا دکھ تنہائی کے سہیگی اور زندگی بھر بن بیاہی رہیگی انسویا ہنسکر اس
شعورداری سے بولی اور اُسکے غنچہ دل سے گرہ کھولی جب خدا اچھے دن لاتا ہے
دل کا مقصد گھر بیٹھے ہی ملجاتا ہے تم جیسے لوگوں کا جب یہاں قدم آیا منی کے
من کا مطلب پورا ہوا
راجہ یہ بات سنکر بہت خوش ہوا اور سکنتلا نہایت شرمائی پریم ودا مسکرائی اور
اُسکے کان سے جالگی چپکے چپکے کہتی تھی تم آج ہی بیاہی جاتیں کیا کریں کس منی
آج کے دن گھر میں نہیں وہ شرمائی جاتی تھی اور یہ باتیں ایسی ہی سناتی تھی ترچھی
نظروں سے راجا کو دیکھ رہی تھی راجا کی آنکھ سکنتلا سے لگی وہاں فوج ڈھونڈھتی
ہوئی جنگل میں بھولی بھٹکی آخرش ڈھونڈتے ڈھونڈتے سپاہ کا وہاں گذر ہوا
جہاں یوں باہم ناز و ادا کی فوجیں تل رہی تھیں اور آپس میں یہ رد و بدل ہو رہی تھی
فوج کے پرے سکے پرے جب نزدیک آئے اور ہر ایک نے گھوڑے
ادھر کو اٹھائے گرد زمیں سے آسماں تک گئی شور چاروں طرف بلند ہوا جنگل
کے جانوروں کے گھیرنے کو قراول دوڑے اس طور اور طریق سے وہ سپاہ
اُسکی شکار کرتی ہوئی وہاں تک پہونچی تپسوی لوگوں نے فریاد مچائی کہ اپنے اپنے
جانوروں کی رکھوالی کرو یہ شور و غل سنکر سکھیاں اپنے جی میں گھبرائیاں دل دھڑکنے
لگے ہر ایک کا چہرہ پھول سا کملایا راجہ خوشی کی باتیں کرنے نہ پایا دل میں اپنے
اس فوج کے آنے سے بہت رکا انسویا دہشت کھاکر راجا سے بول اٹھی
تم بیٹھو یا جاؤ ہمارا کلیجہ تھرتھراتا ہے ہم اپنے مکاں میں جاتیاں ہیں تم مہربانی کرکے

ہمارے مکان میں آئیو تمھاری خدمت ہمیں لازم تھی سو ہم خدمت کیے بن رخصت
ہوتے ہیں یہ بات کہتے بھی ہمیں شرم آتی ہے ہمسے رکاوٹ دل میں مت کیجیو
پھر ایک بار ہمیں درس دیجیو سکنتلا کو تھام اور ہاتھ میں ہاتھ لیکر وہاں سے گھر کو چلیاں
جدائی سے دونوں کے دل میں بیکلیاں ہوگیاں وے اُدھر چلیں اور راجا
فوج کی طرف چلا جوں جوں وہ آگے جاتا تھا دل اُسکا پیچھے رہا جاتا تھا پانوں
وہ جب رکھتا تھا آگے بڑھا دل کی کشش لاتی تھی پیچھے پھر اہر ہر قدم پر اُسکا یہی
حال تھا اور سکنتلا کا بھی عجیب احوال تھا اپنی کف پا جو برگ گل سے بھی نازک تر تھی اُس سے
کانٹے لگا لینے کے بہانے جابجا ٹھہر جاتی تھی اور کبھی آنچل اُسکا بیقراری سے جو
خاک کے اوپر گرتا تھا کھڑی ہو ہو اور سنبھال سنبھال آپکو اٹھاتی تھی اور کبھی بال سر کے
جو آشفتہ سری سے مُنھ پر بکھر جاتے تھے سنبل کا سا دستہ بنا کر اسی حیلہ سے باندھکے
جوڑا آگے پانوں بڑھاتی تھی کبھی نظریں بچا کر سکھیوں کے پیچھے پھر کر راجا کو دیکھ لیتی تھی

اسی طرح ہر ہر قدم راہ تھی		کبھی نالہ تھا اور کبھی آہ تھی
یوں ہی لگن لگائے ہوئے وہ اپنے استھان میں گئی قالب میں گویا جان تھی		
تھا دل کو آرام نے شب کو خواب		شب و روز تھا اُسکے جی کو عذاب

شرم کے مارے سکھیوں سے بھی نہ کچھ کہہ سکتی تھی دل کا درد دل ہی دل میں رکھتی تھی
تیر کاری یا تیر کٹاری کلیجے پر لگے تو سورما سہتے ہیں پر نئی جدائی کا دکھ کسی سے
سہا نہیں جاتا کوں کہے سے بات یہ ماں نے جسپر بیتے سو ہی جانے جہاں وہ
اکیلی جا کر بیٹھتی ساون کی سی جھڑی لگاتی اُسکی یہ حالت تھی کہ سب رنگ بدن کا
زرد تھا دل اور جگر میں درد تھا داغ سے سینہ سارا جلا تھا شور جنوں سے سر میں اُٹھا تھا

خوناب جگر دیدۂ گریاں سے بہے تھا		اور نالہ جانسوز ہی دم ساز رہے تھا

یہ آگ جو اُسکے بدن میں لگ رہی تھی اور رو کر آنسوؤں سے بجھاتی تھی اُسکا تو ہر دم یہی حال تھا اور راجہ کا بھی عجیب احوال تھا وہ دھیان میں اُسکے وہ حیران رہتا تھا اور ایسا دم بخود تھا کہ کسی سے درد دل کا بھی نہیں کہتا تھا حسرت سے ہر ایک سو وہ حیرت زدہ تکتا تھا سکتے کا سا عالم تھا کچھ نہیں کہہ سکتا تھا

سکنتلا سے جو اُسنے دل اٹکایا پل مارتے وہ راج اپنا سب بھلایا رات دن کیا کل ایک دم بھی نہیں پڑتی تھی اسی کا دم بھرتا تھا ئی لگن نے اُسے گھر جانے نہ دیا تپ بن کے پاس ڈیرا کیا خاک پر سر اپنا پٹکتا تھا منی لوگوں سے ڈر کر بول نہیں سکتا تھا کہ کہیں یہ بددعا دیں خیال میں اُسکے بیقرار تھا کہ کسی منی نے دو چیلے اُسکے پاس بھیجے راجا نے سنتے ہی بلا لیا ان دونوں نے اسیس دی راجا نے ڈنڈوت کر آؤ بھگت کی تب وے بولے یا کس بن سونا ہے ہمارے یہاں ہوم ہوتا ہے دیو آکر خلل کرتے ہیں یہ عرض نبیوں کی ہے وہ آپ ہی ادھر جانے کا ارادہ رکھتا تھا یہ بات سنکر بہت شاد ہوا اور خوشی خوشی تیر کمان ہاتھ میں لیکر تپ بن میں گیا رکیسوں کی رکھوالی کرنے لگا بروگ اُسکے دل میں سکنتلا کا بڑھا تپ بن میں اُسے ڈھونڈھنے نکلا از بسکہ گرمی کے دن تھے جب دوپہر کو سورج تپنے لگا اُسکے دل میں یہ سوچ ہوا سکنتلا مدھومالتی ندی کے کنارے اس کڑی دھوپ میں کھڑی ہوگی

جب اس داغ سے اُسکا سینہ جلا		نہ آئی اُسے تاب آگے چلا

ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے جو اُس طرف گذر ہوا دیکھا کہ تالابوں میں کنول پھول رہے ہیں ہر ہر پھول پر بھونرے منڈلاتے اور گونجتے ہیں

جہاں تک کہ جائے نظر ہے سماں		ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی سی چلے ہے وہاں

مور بول رہے ہیں کوئل کوک رہی ہے درختوں کی گھنی گھنی ڈالیاں جھک جھک
رہی ہیں گھری گھری چھانو چھا رہی ہے کنول کی پتیوں کی سیج بچھا کر سکنتلا لیٹی ہے پردے
گویا تمام کانٹے ہیں جو تلے بچھے ہیں ایک کروٹ اسے چین نہیں برہ کے درد سے
بیکل ہے درد سر سے صندل ماتھے پر لگا ہے سکھیاں کنول کی پتیوں کا پنکھا ہلا رہیاں
ہیں اگرچہ سخت بیتاب ہے پر نزاکت سے بہانہ کرتی ہے کبھی دھوپ کی تپش سے
کبھی سموم کی شدت سے گلہ ہے سکھیوں سے تپ بھی چھپاتی ہے بیکلی دل کی زبان پر
نہیں لاتی کبھی کہتی ہے گرمی سے برا عجب احوال ہے جنگل سے دل وحشت کرتا ہے
اور جی میرا نہایت ڈرتا ہے سکھیوں سے وہ یوں کہہ رہی تھی اتنے میں وہاں راجا
آئے جدھر سے یہ صدا آتی تھی اُدھر کان لگائے نگاہ جب اُس پر کی دیکھا لباس
بدن کا میلا گریباں برنگ گل سراسر چاک تن پر جمی ہوئی جنگل کی خاک لب خشک
چشم تر اشک ارغوانی چہرہ زعفرانی بیتاب و بیقرار حیران و پریشان خاطر عجب احوال
سے نالہ و زاری کرتی ہے راجا کے دل میں یہ آئی ابھی اسے دکھائی نہ دیجیے پہلے
اسکی سب باتیں سن لیجیے یہ کہکر گو کہ راجا اُن درختونکی اوجھل کھڑا تھا پر سکنتلا سکھیوں
سے اپنے دل کی لاگ ظاہر کرتی تھی انسویا نے شعورداری سے دریافت کر کے
کہا کہ جبدن سے وہ بن کا رکھوالا منھ دکھا کر پھر نہ آیا اُسی دن سے تو ہنسنا بھول
گئی اور دن رات اُداس رہتی ہے ہر چند آتش ہجر سے جلتی ہے پر شرم کے

+ سما (समय) سنسکرت لفظ ہے اور حقیقت میں اُسکے آخر میں نون غنہ نہیں ہے مگر کہیں کہیں قافیے کی
رعایت سے نون غنہ اُسکے تلفظ میں ادا کرتے ہیں ۱۲

+ سموم زبان عربی میں گرم ہوا اور لوہ کو کہتے ہیں ۱۲

مارے کچھ نہیں کہتی پر پریم ودا اسکی یہی باتیں سن افسوس کر سکنتلا سے بھید صاف
صاف پوچھنے لگی کہ سوا ہمارے اور تمہارے یہاں کوئی اور نہیں ہمسے کیوں
درد دل چھپایا ہے —

احوال دلِ زار کو لا اب تو زباں پر	باقی نہیں کچھ آئی ہے غافل تری جان پہ
بن جانے تیرے اب کام نہ تو شرم کو فرما	رکھ مُہر خموشی نہ لب پہ کام و دہان پہ

گو کہ نہیں کہتی تو پر یہ چشم تر رنگ زرد اور آہ سرد جو تو دمبدم بھرتی ہے ظاہر ہیں صاف
اگر تو زباں سے بیاں کرے تو شاید کچھ ہم سے تدبیر ہو اسکا ہم علاج کریں تیرا یہ رنگ
دیکھکر جاں میں جاں ہماری بھی نہیں دل گھبراتے ہیں ہوش و حواس اُڑے
جاتے ہیں رونا چلا آتا ہے دم نکلا جاتا ہے خدا کے واسطے ناداں مت ہو اپنے حسن و
جوانی کو دیکھ کیوں خاک میں اپنے تئیں ملاتی ہے

جو کچھ ہمکو کہنا تھا ہمنے کہا	نہ اکبار اب بلکہ وہ بار ہا

ایک رو رو بلائیں لیتی تھی دوسری صدقے ہو ہو جان دیتی تھی دیکھ دیکھ انکا
منہ وہ آئینہ رو جو سراپا حیرت کی شکل بن گئی تھی دم سرد بھر کر کہنے لگی تم دونوں
میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو اور سر سے پاؤں تک عقل و ہوش و تمیز ہو کیا کہوں
میں اور کیا سنوں میں جو کچھ میری جان پہ گذرتی ہے اُسے خدا یا میرا دل ہی جانتا ہے
ہر چند کہ تم میرے دکھ کی شریک ہو لیکن اسواسطے نہیں کہتی کہ ایک تو میں آپ
مرتی ہوں تسپر تم دونوں کو بھی کڑھاؤں

گذرتی ہے جو کچھ گذرنے دو مجھپر

یہ سنتے ہی انکھوں نے اپنے گریباں چاک کیے اور خاک پہ ہر ایک نے

اپنے تئیں پٹک پٹک دیا اور کہنے لگیں ہماری زیست تیرے دم کے ساتھ ہے جب
تیری یہ حالت ہوئی ہم جی کر کیا کرینگے تب وہ اور بھی اسی طرح چار و ناچار بیاں
کرنے لگی جب سے صورت دکھا کر گیا ہے وہ بن کار کھوالا تب سے زخم جگر کا میرے
ہرا ہے کل ایک پل نہیں پڑتی دل کو بیکلی سے جاں لبوں پر آرہی ہے شکل اسکی آنکھوں
کی پتلیوں میں پڑی پھرتی ہے یا تو اُسے کسی صورت سے دکھاؤ یا میری زیست سے
ہاتھ اُٹھاؤ کچھ اور کہنے نہ پائی تھی کہ اشک کی آنکھوں میں طغیانی ہوئی دم بند ہوگیا ہچکی لگ گئی

دم بخود ہو کے پھر ہوئی خاموش

سکھیوں نے اُسے خاک سے اُٹھا ہاتھ منھ دُھلا بہت دلاسا تسلی دیکر کہا
سب آرزوئیں خاطر خواہ تیری ابھی بر آتی ہیں اچھے وقت تو نے اپنے رازِ دل
سے آگاہ کیا وہ راجا بن کار کھوالا جسکی چاہت سے تیری یہ حالت بنی ہے اُسے
نگہبانی کے لیے رکھیوں نے بلوایا ہے پھر وہ اس تپ بن میں آیا ہے اور اُسے ہمنے
دیکھا ہے کہ آثار تیری چاہت کے اُسکی حالت سے ظاہر ہیں راہ گھر کی بھولا ہے وحشت زدہ سا

پھرتا ہے نہ وہ رنگ روپ نہ وہ طرح طور ہے سوکھکر کانٹا ہو گیا

یہاں یہ باتیں ہوتیاں تھیں اور وہ چھپا چھپا کھڑا سنتا تھا دیدہ حسرت سے دیکھ
رہا تھا کہ اُسکے مہتابی مکھڑے پر آہ کی ہوائیاں چھٹ رہی ہیں سکھیاں اُسے بہلا بہلا
کہتیاں ہیں کہ ہمیں یہ تدبیر سوجھتی ہے تم اُسے اپنے ہاتھ سے خط لکھو سب اپنے دلکی
حالت جو گذرتی ہے زبان قلم پر لاؤ دیکھتے ہی خط کو اور مطلع ہو کر اُسکے مضمون سراپا درد
سے یہاں آویگا کام تغافل کو نفرمائیگا اب ڈھیل اسمیں مت کرو بظاہر وہ شرمائی
اور بباطن بہت خوش ہوئی پھر سکھیوں سے کہا یہ بات بہت اچھی ہے میرا بھی دل گواہی

دیتا ہے یہی کیا چاہیے پر یہ بھی ڈر ہے کہ اگر خط کو پڑھکر تغافل کرے اور نہ آوے
تو ہمیں حسرت سے اور اس غیرت سے جاں ہی دینی پڑے تب انسویا نے
جواب دیا سکنتلا تو کیوں دیوانی ہوئی ہے جو ایسا خیال کرتی ہے گھر میں کوئی دولت
آتی ہوئی نہیں لیتا اور دروازہ بند کر دیتا ہے جسے ایک چاہے اُسے دوسرا کیونکر
نہ چاہے تمھاری محبت جب راجا کو یقین ہووگی تو اپنی قسمت سراہیگا وہ پھر کہنے لگی
یہاں کاغذ و دوات و قلم کہاں ہے جو میں نامہ لکھوں تب سکھیوں نے کہا کنول کی
پنکھڑیوں پر خوں دل سے لکھکر پیک صبا کے ہاتھ جلدی روانہ کر کنول کی پاتی اُسنے لکھکر
بنائی اور سکھیوں کو پڑھ سنائی اُنھوں نے جی لگا کر سُنی لکھا تھا ہم کیا علاج کریں عھر تمھارے
دل میں خور انہیں دل ہمارا نظروں ہی نظروں میں چرالے گئے پھر دکھائی نہ دیے سراپا
تمھارا برگ گل سے بھی نازک تر برہما نے بنایا ایسے بے درد و سنگدل کیوں ہو۔

یہ احوال سکنتلا نے سکھیوں کو سنایا اور راجا درختوں سے نکل آیا جلوہ اپنا
دکھلا کر سکنتلا سے بولا جنگل ہی میں رات دن وحشی سا پھرتا ہوں تمھاری محبت
سے گھر بار تج کر بن باسی بنا ہوں جوں راجا اُنکے پاس آکر یہ باتیں کرنے لگا وے
سب شاد ہوئیں سکنتلا تعظیم کو اُٹھنے لگی دُبلاپے سے ناطاقت دیکھکر راجا بولے
یہ جو حالت نظر آئی تمھاری معاف تمھیں تعظیم ہماری دیکھکر یہ جلنا تمھارا سلگ گیا سب
کلیجا ہمارا ہاتھ لاؤ ہم تمھاری نبض دیکھیں مرض دریافت کرکے تدبیر کریں پریم دا
بولی اچھی ساعت تم آئے سُنے ہمارے سب دُکھ بھلائے سکنتلا کا بھی کوئی
درد نہ رہیگا دیکھو نبض اسکی اور جو علاج چاہو کرو دیکھیں ہم حکمت تمھاری راجا

+ لفظ ہی ہیں جو حصر کے واسطے مستعمل ہے اب نون غنہ نہیں بولا جاتا ۱۲

مسکرا کر پاس جا بیٹھا اور سکنتلا بہت شرمائی دونوں کی ایک سی محبت دیکھکر انسویا راجا
سے بولی گو کہ آج تمھیں اُسکی چاہ ہے لیکن اسکا تمھارے ہاتھ نباہ ہے تم راجا ہو عورتیں
تمھارے ہاں اَنگنت ہیں ایسا نہو کہ اسکی الفت دل سے بھلا دیو اور یہ جاں واحد
رکھتی ہے کوئی اسکا مونس و غمخوار نہیں جو کبھی تم اس سے غافل ہو گئے اور اسکی
خاطر نہ کروگے پھر اسکا کیا حال ہوگا کیونکر اسکی زندگی ہوگی اتنا کہکر وہ چپ ہو رہی
راجا نے کہا افسوس کہ میں نے اِسکی خاطر یہ حالت اپنی بنائی لیکن تمھیں میری
چاہت باور نہ آئی تم بدگمانی سے میرے حق میں یہ باتیں کہتی ہو

نہوگی کبھی کوئی مجھسے وہ بات	جو کوئی کہیگا یہ کی اُسنے گھات
کرونگا دل و جاں اسپر فدا	رہے یاد تمکو یہ میرا کہا

میں اسکے ہاتھ جب آپ بک گیا ہوں سب اِسکی چیریاں ہونگی جب سے
میں نے اسے دیکھا ہے ہوش و قرار یک لخت جاتا رہا ہے گھر چھوڑکر جنگل میں یہیں بال
اسی کا دھیان آٹھو پہر رکھتا ہوں غلام اسکا مجھے جانو میری اس بات کو یقین مانو
انسویا بولی راجا تمنے ہمارے دل کی اب دبدھا مٹا دی ہماری خاطر جمع ہوئی
بہت خوش ہوئیاں پھر کچھ چھل کرکے دونوں وہاں سے ٹل گیاں راجا نے
سکنتلا سے شاستر کے مطابق گندھرو بواہ کیا وقت شام کا قریب آیا گوتمی ڈھونڈتے
ڈھونڈتے* وہاں وارد ہوئی آواز اسکی سنکر سکھیاں دوڑی آئیں کہا راجا کو جلد
رخصت کرو سکنتلا نہایت ڈری راجا سے کہا کہیں تم ان درختوں میں چھپو
یو اہماری گوتمی یہاں آویگی یہاں سے مجھے گھر کو لیجاویگی مجھے پھر کب دیدار

* ڈھونڈتے غیر فصیح اور ڈھونڈتے فصیح ہے ۱۲

دکھاؤ گے اب کچھ نشانی اپنی دیتے جاؤ جو اُسے ہم دیکھکر تسلی دل کو دیں جب یہ سکنتلا نے بات کہی راجا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے نشانی اُسے اپنی انگوٹھی دی اتنے میں گوتمی پاس آئی آواز اُسکے پانوں کی سنکر راجا درختوں کی آڑ میں ہو گیا سکنتلا بہت رک کر سر منھ لپیٹ لیٹ رہی گوتمی نے اُسے اُٹھایا اور پوچھنے لگی کچھ تیرے دل کی گھبراہٹ گھٹی یا نہیں تب اُسنے یہ بات کہی کچھ درد اور بڑھا وہ اُسکا ہاتھ پکڑ کر استھان کو لیچلی —

جب سکنتلا اپنے مکان میں گئی راجا کو دکھ کے سمندر میں تھاہ نہ ملی برہ کی تپ سے جلنے لگا اور دل ہی دل میں یوں کہنے کیا کروں کدھر جاؤں کیونکر کل پڑے مجھے یہ دکھ اپنا کسے سناؤں پھر کس شکل سے اُسے دیکھنے پاؤں اِدھر راجا کے دل میں محبت نے غم بڑھایا اُدھر سے منیوں نے یوں شور مچایا مہاراج نے کیوں ہماری سُدھ بھلائی جدھر تدھر سے دیو دیتے ہیں دکھائی اور دیکھے سے اُنھوں کی پرچھائیں ہمارے جگ میں خلل پڑتا ہے منیوں نے منت وزاری سے جب یہ بات کہی وہ بروگی جو راجا تھا سنکر وہاں دوڑ گیا پھر اُس بن میں رکھوالی کرنے لگا اب احوال سکنتلا کا سنو گوتمی اُسکا ہاتھ پکڑے ہوے تو مکان میں لائی پر اُس سے برہ کا درد بھاری نہ اُٹھایا گیا سدھ بدھ اپنی بھلا دی سکھیوں کا ساتھ خوش نہ آیا اکیلی بیٹھکر آنسوؤں کا مینھ برسایا اور بنا دیکھے اپنے پیتم کے ذرا بھی کل نہ پڑی ایک ایک گھڑی اُسکو ایک ایک برس تھی از بسکہ وہ اُسکی نظروں میں سمایا تھا تمام جہان آنکھوں میں سونا نظر آتا تھا جب کچھ ہوش میں آتی راجا کی انگوٹھی دیکھکر بیہ بیحواس ہو جاتی سونے مکان میں سر جھکائے سوچ میں بیٹھی اور

اتنا نقش پا کے حیرت زدہ ہوکر نہ جاگہ سے ہلتی نہ کہیں اُٹھتی اسنے پہاڑ دکھ کا سر پر اٹھایا جسطرح جاں سے بدن خالی ہو ویسا حال بنایا۔

کہ عاجز ہوئی یاں زباں قلم	کروں اور کیا اُسکی حالت رقم
ہوا کیا خدا جانے اُسکے تئیں	خبر دین و دنیا کی رکھتی نہیں

وہ اُسکے تصور میں اپنی جاں لگائے بیٹھی تھی کہ درباسا ایک رکھ وہاں آیا دیکھا اُسنے کہ یہ مس مارے کسی کے دھیان میں مردے کی حالت بنائے بیٹھی ہے

تحقیق اُسکی یہی صورت تھی نہ رکھ کے آنے سے اُسے آگاہی ہوئی نہ آنکھ اٹھا کر اُسے دیکھا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے نہ بستر بیٹھنے کو دیا نہ کچھ تعظیم و تواضع کی وہ دل میں اپنے بہت رُکا اور خفا ہو کر ہاتھ اُٹھا کر یوں شرایا کہ سراپا تیرا برگ کی آگ سے جلیگا اور جسکے دھیان میں تو بیٹھی ہے وہ تیری خبر نہ لیگا یہ سراپ دیکر رکھ تو وہاں سے چلا پر اُس محو خیال جاناں نے نہ جانا کہ وہ کب آیا تھا اور کب گیا بد دعا اُسکی سُنکر دونوں سکھیاں دوڑیاں اور جلد درباسا منی کے پاس آئیاں اُنھوں کے دل میں اُسکے سراپنے سے بڑا دُکھ ہوا از بسکہ اُنھوں کو سکنتلا سے محبت تھی سمجھ بوجھکر منت وزاری بہت کی پانوں پر گر پڑیاں ہاتھوں کو جوڑ کر بولیاں اتنا غصہ تمھارے لائق نہیں اور یہ جو اُسکی تقصیر ہے معاف کرو تم دریا کرم کے ہو اُسپر مہربانی کرو اُسے بد دعا جو کی ہے اُسکے بدلے نیک دعا دو یہ عاجزی ہماری قبول ہو جیسی یہ کس کی بیٹی ہے ویسی تمھاری

دونوں سکھیوں نے جب یہ باتیں کہیں درباسا کو اُنکی منت کرنے سے رحم آیا کہا کہ جو انگوٹھی راجا اُسے دیگیا ہے جب وہ اُسے دیکھیگا تب اُسے یاد کریگا یہ کہکر

* یعنی سراپ دیا۔

اُس دعاے مذکور دکر کے وہ چلا گیا سکھیاں خوش ہوئیاں پھر آپس میں بولیاں
جو کچھ منی نے اسکے حال سے خبر دی ہے جھوٹ نہوگی اُس سے کسی طرح
انگوٹھی لیا چاہیے کہ کہیں کھو نہ دے جب وہ راجا کی یاد میں بے اختیار ہوگی تب
اُسے ہم دکھا دینگے اِس بھید سے ہمیں تمھیں واقف ہیں اُس سے ظاہر مت کرو
اُسے اور غم ہوگا کسی طرح جیتی نہ رہیگی یہ آپس میں باتیں کر کے سکنتلا کے
پاس آئیں دیکھا کہ فراق نے اُسکی یہ صورت بنائی ہے نہ کچھ آنکھوں سے سوجھتا ہے
نہ کچھ کانوں سے سنتی ہے ہیچو تصویر کی شکل ہوگئی ہے سطرح سے اُسکی اوقات گذرتی ہے

نہ وہ نور سے دل کے آگاہ ہے	تصور میں اُسکے وہی ماہ ہے
نہ کچھ شب کی تاریکی پر ہے نظر	وہی شکل ہے دھیان میں جلوہ گر

اگرچہ اُسنے اپنی یہ حالت بنائی پر راجا کو اُسکی کچھ یاد بھی نہ آئی منیوں نے اسے
رخصت گھر کو کر دیا تھا وہ اپنے راج میں مشغول تھا درباسا رکھ کی بددعا نے ایسی
تاثیر کی تھی کہ راجا نے اُسکی سرت بھلا دی کچھ دنوں سکنتلا نے اسمیں مصیبت کاٹی
اس حالت میں یکایک تیرتھ نہان کر کس منی آن پہونچا اور یہ حال سنکر دل
میں بہت خوش ہوا سکنتلا کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور بہت سراہا پھر کہنے لگا تو نے
مجھے اس سے بہت خوش کیا اور بڑی فراغت بخشی اب بن میں اکیلا رہونگا
صبح تجھے سسرال بھیجونگا اتنے میں رات تمام ہوئی اور دن نکلا اُسے نہلایا دُھلایا
اور جتنی رکھیوں کی عورتیں تھیں سب ملنے کو آئیاں۔

جدائی کی کوئی دم میں جو گھڑی ہوا چاہتی تھی یہ سوچ کر سکنتلا کی آنکھوں میں
آنسو بھر آئے تب گوتمی نے پیار محبت سے اپنی گودی میں بٹھا کنگھی کر مانگ

نکال زلفیں بنا چوٹی گوندھی اور سکھیوں نے پھولوں کے ہار ڈال بدھی پہنائی اور کہنے
لگیاں کس سے کہیں کہاں سے لاویں جو بنا سنوار گہنا اسے سر سے پانوں تک
پہنا دیں اس ناداری سے آنسو آنکھوں میں بھر آئے
سکھیوں پر یہ حالت تھی کہ دو لڑکے کسی منی کے آئے کہا کہ ہم خاصے خاصے
اور اچھے اچھے گہنے اور سنگار کی چیزیں لائے اور آگے رکھکر کہا کچھ سوچ مت کرو
اسے پہناؤ سکھیاں بہت خوش ہوئیاں اور کہنے لگیاں یہ کہاں سے آیا انکو اچنبھے
میں دیکھکر چیلوں نے ظاہر کیا ہمیں کن منی نے بھیجا تھا کہ تم بن میں جاکر پھول پھل
سکنتلا کے لیے توڑ لاؤ ہم جو گئے تو وہاں اور ہی گت دیکھی معلوم ہوا کہ یہ گرو کا اثر ہے
کہ کہیں سیندور کہیں کاجل پایا کہیں مہاور پان پائے اور بن دیوتوں* نے درختوں
سے ہاتھ نکال گہنا کپڑے ہمیں دیے
گوتمی نے شکن نیک ٹھہرا دیے سوہے چمکیلے کپڑے اور گہنا پہنایا سکھیوں
نے مانگ میں سیندور بھر کاجل آنکھوں میں دے پانوں میں مہاور لگا پان کھلائے
اس رنگ سے بنی بنائی جب تک اور سنگار سکھیوں نے کیا تب تک کن منی نہا کر
آیا سکنتلا جدائی کے غم سے جو بیتابی بیقراری کر رہی تھی دیکھکر اُسے بہت گھبرایا جی
رو ندھ گیا آنکھوں میں آنسو بھر لایا خاطر ناشاد سے کہنے لگا تن من بے چین ہے یہ دکھ
سہا جاتا نہیں اور اب بغیر اسکے بن میں رہا جاتا نہیں اسے بھی میری مفارقت سے
تاب نہیں شرم سے کچھ بول نہیں سکتی عجب سوچ میں ششدر† کھڑی ہے جی نہیں سنبھلتا

* اُردو کے قاعدے کے موافق دیوتا کی جمع دیوتاؤں چاہیے ۱۲ † ششدر اُس مقام سے کنایہ ہے جہاں
سے رہائی دشوار ہو اور مجازاً عاجز و متحیر کی جگہ بھی مستعمل ہوتا ہے اور ششدر اصل میں نرد کی بازی میں چھ خانہ ہوتے
ہیں کہ جب مہرہ اُن کے پچھلے خانہ میں پھنس جاتا ہے تو وہاں سے اسکا نکلنا مشکل ہوتا ہے

آنسو آنکھوں سے جاری ہیں اسطرح سسرال کو چلی ہے اسکی جدائی سے میرے بن باسیوں
کو یہ غم ہوا ہے جیسے دنیا داروں کو مصیبت ہوتی ہے منی اسکی الفت سے یہ باتیں کر رہا تھا
کہ سکنتلا باپ کا یہ حال دیکھکر بے اختیار ہو رونے لگی منی نے پیار سے آنسو پونچھکر
اسے گلے سے لگایا اور اتنی بات زبان پر لایا بس اب مت رو جی کو اپنے بیتاب
ہو کر مت کھو تیرا اس دم رونا خوب نہیں پھر کہا گوتمی تو اسے کیوں نہیں سمجھاتی یہ جو
رو رہی ہے اسے منع کر یہ اچھی ساعت ہے ابھی اسے ساتھ لیکر جا پھر اپنے دو چیلوں
کو بھی بلا سکنتلا کے ساتھ جانے کو مقرر کیا گوتمی نے دلاسا دلبری سے سمجھایا اور
آپ بھی ساتھ ہوئی آنسو آنکھوں سے پوچھتی اور ہچکیاں لیتی ہوئی وہ سسرال چلی تب
سب جنگل کے درختوں اور جانوروں سے منی نے پکار پکار کہا تمھارے پھولنے
سے یہ خوش ہوتی تھی اور بیکلی سب جاتی رہتی تھی اور جبتک تمھیں یہ نہ سینچتی تھی پانی
بھی نہ پیتی کیاریاں اور تھالے دل بھر بناتی جو اس طرح تمھاری خدمت کرتی تھی
سنو اب وہ سسرال چلی ہے

جب منی نے درختوں سے یہ بات کہی تب درختوں پر کوئلوں نے کوک
مچائی وے جو کوکتی تھیں گویا درخت نالہ و زاری کرتے تھے یہ شور سُن اور
اپنے اُن درختوں کو دیکھ دیکھ وہ آنسو بھر لاتی تھی اور سکھیوں سے کہتی چلی جاتی تھی
اگرچہ راجا کی الفت میرے دل میں سمائی ہے پر اس بن کی بھی ہوا میرے جی سے
جاتی نہیں اپنے ہاتھوں کے درخت لگائے ہوے دیکھکر چھاتی بھری آتی ہے
میں تو چلی پر انھیں تمھیں سونپے جاتی ہوں رو رو کر سکھیاں بول اُٹھیاں تو
ہمیں کس لیے سونپے جاتی یہاں درختوں کو بن تیرے کون دیکھیگا اور کیسے

حواس رہیگا نالہ وزاری آپس میں ہوتی تھی اور سکھیوں کی چاہت سے رو رو کر جان اپنی
کھوتی تھی کہ منی نے پھر اُسے سمجھایا تب سکنتلا نے آگے پانوں بڑھایا
جدائی سے اُسکی بن نے خاک اُڑائی مور ناچنا بھولے ہرنوں نے سبزے
کا پھرنا چرنا چھوڑا چکاروں نے اُدھر سے مُنھ موڑا پرندوں کے ہوش اُڑے
بھونرے گونجنا بھولے اور جتنے جانور تھے سبھوں پر اُس بن میں اُداسی چھاگئی
جنگل کے رہنے ہاروں کو بھی اُداسی آگئی جب وہ کوس ایک وہاں سے آگے
بڑھی تب منی نے یہ بات کہی دن بہت چڑھ گیا ہے اب یہاں سے اسے
رخصت کرو اور تم اپنے اپنے گھر پھر جاؤ جو کچھ سمجھانا ہے اب یہیں سمجھا آوگے
جانا مناسب نہیں

قلق سے ہر اک کا نکلتا تھا جی	کسیکو جدائی گوارا نہ تھی

منی نے سنبھال سبھوں کو وہاں رکھا پھر اپنے چیلوں سے کہا راجا دشینت
کو سمجھا کے ہمارا سندیسا دیجو ہم تمہارے پوجنے کے لائق ہیں اور تم ہمارے
سیوک ہو سکنتلا ہماری بیٹی ہے اسے جی سے پیاری جاننا ہمیں تم نے مکاں
میں نہ آنے دیا آپ ہی شادی کر لی اب ایسا کیجو جو سکنتلا آرام سے رہے
کیونکہ اسکی بھیجنی سے ہمیں چین نہوگا
راجا کو یہ پیغام دیکر سکنتلا کے تئیں نصیحت کرنے لگا ساس نند کی خدمت
کرنا خاوند کے اخلاص میں اُنکی فرمانبرداری نہ بھولنا سوتوں سے ہلی ملی رہنا

* حواس عربی میں جمع کا صیغہ ہے اور اُردو میں بھی اہل فصاحت اس لفظ کو جمع ہی بولتے ہیں اس
صورت میں حواس رہیگا کی جگہ حواس رہینگے بولنا فصیح ہے ۱۲
+ فصیح لوگ رہنے ہاروں کی جگہ رہنے والوں بولتے ہیں ۱۲

اپنا بھید کبھی نہ کہنا اپنی قسمت پر مغرور نہو جو خاوند کے حکم میں رہیو ایسا کام کیجو
جو گھر باہر کے لوگ تجھے نیکبخت کہیں میں نے جو یہ نصیحت کی ہے اسے دل
میں یاد رکھنا ہمیں اب رخصت دے ہم اپنے بن کو جاویں اور سکھیوں کو بھی وداع
کر گوتمی کو ساتھ لے وہ اتناسن کر منی کے گلے سے لگ رونے لگی تب اُسنے
دلاسا دے رخصت کیا پھر سکھیوں سے ملکر روئی تب اُنھیں سراپ درباسا
منی کا یاد آیا

انسویا نے چترائی سے کہا راجوں* کو راج کاج کے سبب یاد بہت
کم رہتی ہے اور مدت بھی گذری شاید وہ تیری یاد بھول گیا ہو انگوٹھی جو تجھے دکھلائے
اسی کو تو راجا کو دکھانا وہ اپنی نشانی دیکھ بھولی الفت یاد کریگا پر اس انگوٹھی کا
بہت سی خبرداری کرنا ایسا نہو کہیں گر جائے

یہ سنکر سکنتلا اداس ہوگئی سکھیوں سے کہا تمنے جو مجھے یہ بات سنائی اسکا
میں بھید نہیں پاتی تمنے بات بہت بیڈھب کہی میرا دل دھڑکتا ہے سکھیوں
نے کہا دیکھ دوپہر دن آیا ہے ہمیں رخصت کر تو بھی آگے پانوں دھر گوتمی
اور وے دونوں چیلے رکھوں کے ساتھ گئے یہ سب گھر کو پھر آئے پیچھے پھر پھر
دونوں طرف سے آپس میں دیکھتے جاتے تھے

سکھیاں کہتی آتیاں ہیں اس بن میں سونا دکھائی دیتا ہے ہاتھوں کو ملکر پھر
یوں بولیں اب درختوں کی اوٹ میں سکنتلا دکھائی نہیں دیتی اسطرح منی
تو سکھیوں کو ساتھ لے مکان میں آیا اور سکنتلا جب آگے گئی ایک تالاب

* اردو کے قاعدے کے موافق راجا کی جمع راجاؤں ہے ۱۲

راہ میں دیکھا پیاس کی شدت سے تالاب کے کنارے گئی پانی پیکر پیاس بجھائی
پر ایک پل میں یہ بڑا غضب ہوا کہ انگوٹھی انگلی میں سے نکل کر پانی میں گر پڑی اور
اُسکی کچھ سدھ نہ رہی وہاں سے اُٹھ کے دونوں چیلوں کے ساتھ راجا کے
یہاں پہونچی وہ خلوت میں تھا ڈیوڑھی پر جا کر چیلوں نے خبر دی خوجوں نے
انکی زبانی عرض کی کہ مہاراج کن منی نے دو چیلے بھیجے ہیں اور ساتھ اُنکے دو
عورتیں کر دیں ہیں ایک جو اُنمیں جوان ہے سو آپکی نذر کے لیے ہے۔
نام عورتوں کا سنکر راجا کو اچنبھا آیا بہت فکر و اندیشے میں گیا اور دیوالِ عام
میں نکل آیا منی کے چیلوں کو بلایا آگے چیلے پیچھے گوتمی تس پیچھے سکنتلا اسطرح
سے سب کے سب آئے راجا نے بڑی عزت سے پاس بلایا اور سکنتلا شرم
سے گویا زمین میں گڑی جاتی تھی پر گھونگٹ کیے کھڑی تھی کمبختی جو آئی تو داہنی آنکھ
اُسکی پھڑکنے لگی وسواس اُسکے دل میں ہوا کہ خدا خیر کرے دیکھوں کیا ہوتا ہے
اس بدشگونی سے اُسکا دل بہت کڑھا جب غور کر کے سکنتلا کو راجا دیکھنے لگا
ایک تعجب سا اُسے ہوا اپنے دل میں کہا یہ کون ہے اور کہاں سے آئی
منیوں نے بن میں کیونکر پائی کچھ سمجھا نہیں جاتا اسے یہاں کیوں لائے
یہ بچار راجا نے جب اپنے دل میں کیا تب منی کے چیلوں نے آشیرباد
دیا راجا نے مسند سے اُتر کر انھیں ڈنڈوت کی اور سب کام اپنے چھوڑ کر
اُنھوں کی خیر و عافیت پوچھی کہا تمھارے بن باسیوں کی کیا خبر ہے تمھارے
گرو بھلے چنگے ہیں وے چترائی کر کے بولے مہاراج کے راج میں ایسا
دکھ کا نام نہ رہا جیسے سورج کی روشنی سے اندھیرا جاتا رہے جنکی دعا سے لوگ

ہمیشہ سلامت رہیں اُن رکھیوں کی کھیم کسل ہم کیا کہیں مہاراج کے پاس ہم
آئے ہیں یہ سندیسا گرو کا لائے ہیں جانی ہمنے سب محبت تمھاری اور سکنتلا
ہے یہ بیٹی ہماری جو گندھرو بواہ تمنے یہاں کیا یہ سُنکے ہمنے بُرا نہیں مانا مہاراج
میں جتنے گُن ہیں اتنے ہی سکنتلا میں بھی ہیں ہمارے جی نے بہت سکھ پایا
خدا نے بھلا سنجوگ بنایا سکنتلا کو اپنے پاس رکھو ہمنے منی کا سندیسا کہہ دیا سکنتلا
کو ہمنے یہاں پہونچایا ہمیں اب رخصت کرو

درباسا منی کے سراپ سے راجا تو اُسکی طرف سے غافل تھا کہنے
لگا تم منی کے چیلے بڑے چترے ہو یہ باتیں کیا کہتے ہو سکنتلا سے کسنے
شادی کی میں اسے نہیں جانتا یہ باتیں اُس سے سُنکر چیلے تو بہت خفا ہوے
اور سکنتلا بیحواس ہو کانپنے لگی راجا کی بیدھرمی سے دونوں چیلے رک کر بولے
مہاراج کچھ تم دھرم کو جانو ایسا خیال فاسد دل میں مت لاؤ تب تو بیاہ کیا
چھل کی کر گھاتیں اب تم کرنے لگے یہ باتیں سچ ہے راجا وہی کرتے ہیں
جو اُنکے جی میں آتا ہے اور کسی کا ڈر نہیں جانتے

یہ کہکر چیلے چپ رہے اور گوتمی گھبرا کر سکنتلا کو سمجھانے لگی ایک دم شرم
کو چھوڑ راجا کو منھ دکھلا تیرا منھ دیکھکر اُسے سُدھ آویگی یہ کہکر سکنتلا کا گھونگٹ کھلوایا
راجا کو اُسکا منھ دکھلایا دیکھکر اُسنے تب بھی ہاں نا کچھ نکی حیرت زدہ سا رہگیا تب
منی کے چیلوں نے جھنجھلا کر کہا مہاراج کچھ دل میں سوچ سمجھ بوجھکر ہمیں جواب دو
راجا بولے میں نے بہت دیر تک غور سے نظر کی جاتے ہیں تو معلوم
مگر خواب میں بھی کبھی شکل اسکی نہیں دیکھی بیری اسکی جو تم لگن لگاتے ہو کیوں

ناحق کلنک چڑھاتے ہوے دونوں چیلے آتش غضب میں جلے پھر راجا سے
یوں کہنے لگے ایسی باتیں جو تم زبان پر لاتے ہو منی لوگوں سے خوف دل میں
نہیں کرتے کس مہامنی جب خفا ہوگا تمہارا احوال کہو کیا ہوگا ان باتوں سے راجا
کو ڈرا کر پھر بہت غصہ کرکے سکنتلا سے بولے تب کسی سے تو نے نہ پوچھا آپ ہی
گندھرب بواہ کیا جیسا کیا ویسا ہی اُسکا مزہ چکھا منہہ اپنا کھول راجا سے کچھ بول شرم
کا پردہ رخ سے اُٹھا کر وہ بولی مہاراج یہ ریت کیا ہے اسمیں بڑا ظلم ہوتا ہے
تمہارے ہاتھ کیا آویگا رخصت ہوتے تمنے دی تھی انگوٹھی اس سے میں نہیں
ہوں تمہارے آگے جھوٹی سکنتلا یہ کہکر چپ رہی راجا نے پھر یوں بات کہی یہ
تمنے بات بناوٹ کی اب تک کیوں نہ انگوٹھی دی جو میں انگوٹھی اپنی دیکھوں تو تمھیں سچا
جانوں تب اُسنے گھبرا کر نگاہ کی انگوٹھی ہاتھ میں نہ پائی رنگ چہرے کا زرد ہوا بیقرار
ہوکر ہاے ہاے مچائی وہ حیرت سے گوتمی کی طرف دیکھنے لگا سکنتلا تب شرمندہ ہوئی
راجا نے ہنسکر یہ بات کہی تریا چرتر ہم کانوں سنتے تھے سو آنکھوں دیکھا میں نے تجھے
کب دی تھی انگوٹھی ایسی بات کیوں کہتی ہے جھوٹھی جب وہ راجا کے دل سے
یوں بھولی تب جھنجھلا کر یہ بولی قسمت نے برا دن مجھکو دکھایا جس طرح سے چاہا ناچ
نچایا نہیں ہے انگوٹھی کیا میں دکھاؤں کہو تو کچھ اور تمھیں بھید بتاؤں ہم تم جو بن میں
باتیں چاہت کی کر رہے تھے اور کیا کیا اُمنگ دلوں میں بھر رہے تھے جو ایک
ہرن کا بچہ وہاں آیا تمنے اُسے کس کس پیار سے بلایا جب وہ وحشی بھاگا رم کرکے
پاس نہ آیا پھر وہاں ڈر کے جب میں نے اُسے بلایا تب وہ دوڑا آیا ۔
تمنے ہنسکر کہا مجھکو تم دونوں بن باسی ہو ہرن کا بچہ رہتا ہے ساتھ تمھارے

بھاگ گے سب یہ سانپ کے سے ہمارے یہ کہکر تمنے ہنسی مچائی اب وہ سدھ بدھ سب تو
بھلائی یہ سنکر بھی اُسے کچھ یاد نہ آیا ایسی ہی باتیں پھر وہ زبان پر لایا کہ و نا سے میٹھی
میٹھی باتیں کرکے زندی ول مردوں کا چھین لیتی ہے ایسی باتیں کر رہی ہے
گویا جھوٹھ کہیں چھو نہیں گیا تب خفا ہوکر گوتمی نے کہا مہاراج تم ٹھٹھول ہو ہم بن بی
ہیں باتیں بنانا کیا جانیں کپٹ کہاں سیکھی ہمنے بن میں دغا ہوتی ہے راجوں کے
من میں یہ کہکر گوتمی چپ رہی پھر راجا بولا عقل سجاوسے ہوئی ہے کوئل چترائی کرکے
انڈے کوے کی جھونجھ* میں دے آتی ہے جب وہ سیتا ہے اور بچہ نکلکر بڑے
ہوتے ہیں تب اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہے راجا نے جب ایسی کڑی کہی سکنتلا
خفا ہو بولی ارے بے انصاف تو کیا کہتا ہے تو نے مجھسے کی ٹھگی یہ کہا اور سر نیچا کر لیا
آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگائی پل مارتے میں اُسنے ندی بہائی

تب خفا ہوکر دونوں چیلے اُسے کہنے لگے شروع الفت میں تو نے کسی کو نہ
جتایا جیسا کیا اُسکا اب ویسا مزہ پایا بغیر امتحاں کیے آخر یہی سزا ہوتی ہے سکنتلا سے
کہکر پھر راجا سے کہا سن لو اب یوں بات ہماری بھلی بری یہ عورت ہے تمہاری چاہو
اسے رکھو چاہو نکال دو ہمسے کچھ مت کہو پھر ہاتھ پکڑ گوتمی کا دونوں چیلے گھر کو پھر چلے
تب سکنتلا بھی روتی ہوئی اُنکے پیچھے یہ کہتی چلی تمنے بھی چھوڑا اور راجا نے اب میں
بے شرم بیکس کہاں جاؤں۔

میں دونگی جاں اپنی غم سے رو رو		مجھے تم چھوڑ کر جواب چلے ہو
ہے یکدل سو بلا میں مبتلا ہے		نہ کوئی مونس و غمخوار مرا ہے

وے خفا ہوکر بولے اے کمبخت تو ادھر کہاں آتی ہے اب کر جو تیرے دلکو

* گھونسلا ۱۲

اچھا لگے جیسا راجا کہتا ہے اگر تو ویسی ہی سہے تو منی ایسی لڑکی کو پیار کریگا اور جو سچ
ہے تیرا کہنا تو لازم ہے تجھے پی کے گھر رہنا منی کے یہاں جو تو جا کر رہیگی تو تجھے
ساری دنیا کلنگ لگاویگی جو اپنے خاوند کی لونڈی بھی ہو کر رہیگی تو پھر ہنسی ہوگی
یہ کہکر چیلے چلے تب راجا نے انکو پکار کہا اسے چھوڑے جاتے ہو اسکے
باپ کو بیچا کر سوسو چیلوں نے پھر کر جواب نہ دیا وے چلے گئے یہ باہر روتی رہ گئی
سوم راج پروہت نے ترس کھا راجا کے پاس آکر کہا منی اور کبھو لوگوں کی بدعا سے
لوگ بیہوش ہو جاتے ہیں اور سراپ ملنے سے سدھ میں آتے ہیں تب پیچھے پچھتاتے
ہیں یہ سنکر راجا نے کہا کہ وہ جو تمہارے دل میں آوے یہ حکم راجا سے لیکر سکنتلا
سے کہا تو ہمارے گھر چل چیلے تو اسطرح چھوڑ گئے راجا نے یوں چھوڑا سکنتلا
روتی ہوئی سوم راج کے ساتھ چلی

اتنے میں ایک آگ کا شعلہ پیدا ہوا اور سکنتلا سے لپٹ کر اٹھا زمیں سے آسمان
پر لے گیا وہ شعلہ اسکی ماں تھی جسکا نام مینکا پری کہتے ہیں وہ ان باتوں سے جل بل کر
اُسے یوں لے گئی جب وہ بجلی سی چمک کر نظروں سے غائب ہوئی تب پروہت
راجا پاس دوڑا آیا کہا مہاراج تعجب کی بات ہے ایک اچنبھا دیکھا میں نے اپنی
آنکھوں سے آنسوؤں کی مالا پروتی ہوئی وہ جب میرے ساتھ چلی اور بے اختیار
ہو کر کہنے لگی میں بیکس ہوں میرا کوئی نہیں تب ایک آگ کا شعلہ سا آیا اور اُسے
آسمان پر لیگیا یہ سنکر راجا نے خوش ہو کر کہا منے پہلے ہی اُسے پہچانا تھا خدا نے
اچھی بات کی یہ کہکر پروہت اپنے گھر کو آیا راجا اُٹھکر اپنے سونے کے مکان میں
گیا تب بھی اُسے سرت نہ آئی لیکن دل فکرمند ہوا رات کی نیند دن کی بھوک جاتی رہی

نہایت اُداس رہنے لگا

اور جو انگوٹھی سکنتلا نے تالاب میں گرا دی تھی اُسے کسی دھنیور نے پایا
اور بازار میں بیچنے لیگیا جوہریوں نے راجا کا نام کھدا دیکھکر اُسے چور جانکر
پکڑا کوتوال کے یہاں لیجاکر قید کروا دیا کوتوال نے اُسے مارا باندھا اور پوچھا
تو نے یہ انگوٹھی کیونکر چرائی اور کہاں سے پائی اور کسطرح تیرے ہاتھ آئی اُسنے
کہا صاحب میں نے نہیں چرائی مگر تالاب میں سے پائی جال میں نے تالاب
میں ڈالا تھا اسمیں لگ آئی یہ سنکر انگوٹھی لے کوتوال نے چھوڑ دیا اور راجا کے
پاس آ انگوٹھی دکھائی تب اسکو سکنتلا کی یاد آئی انگوٹھی ہاتھ میں لیتے ہی درد نے
دل میں گھر کیا آرام چین یک لخت جاتا رہا رونے لگا سر پہ دونوں ہاتھ مار ہائے ہائے
کر پکارا خوشی نام کو نہ رہی دل میں سوچنے لگا کس سے کہوں یہ میں نے کیا کیا اپنے
گلے پر چھری دی وہ دوست میرے پاس آئی تھی میں نے دشمنی کی ادھر سے
میں نے اُس نازنین کو چھوڑا اُدھر سے وے چیلے اُسے چھوڑ گئے شور کرکے رہ میں
وہ رونے لگی تب بھی محبت میرے دل میں نہ آئی اب کانٹا جدائی کا دل میں کھٹکتا ہے
چھاتی پھٹتی ہے سانس دمبدم اٹکتی ہے

جبسے کوتوال نے لا انگوٹھی دی تب سے عجیب حالت اُس فراموش کار
پہ ہونے لگی دل میں درد رنگ زرد نہ دن کو بھوک نہ رات کو نیند زاری اور بیقراری
سے سروکار بیراگ سے راگ بھی خوش نہ آتا اللہ بہر درد دل سے کراہتا تھا اگرچہ یوں
دن کاٹتا تو رات نہ کٹتی اور رات کاٹتا تو دن نہ کٹتا راجا کے اس غم سے شادی
شہریوں کے دلوں سے ایسی جاتی رہی کہ کوئی خوشی کا خیال بھی نہ لاتا لڑکوں نے

کھیلنا بھلا دیا تھا جواں کی حالتیں بوڑھوں سے بدتر ہو گیاں تھیں کسی کے لب سے
ہنسی آشنا نہ تھی ہر ایک کے منھ پر اُداسی چھا رہی تھی وہ سکھ کا دینے والا راجا
سکھلال کے دکھ کے دریا میں ڈوب گیا تھا رنڈی مرد کے دلوں سے آرام رم
کر گیا تھا بدلی غم کی تمام شہر میں چھا رہی تھی خوشی بیکار تھی فراق زدہ مہاراج کے
راج میں بسنت رت کی آمد فدا بھی نظر نہ آتی تھی کوئل کو بولنے نہ دیتے بلکہ درختوں
سے مار مار اُڑاتے خوشبوئی بازار میں بکنے نہ پاتی رنگیں کپڑوں کا پہننا تو معلوم اگر بند
بندھا ئے پاتے تو انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے پھولوں کا تو مذکور کیا کچی کلیاں
جو ٹہنیوں پر دیکھتا توڑ توڑ کر خاک پر پھینک دیتا یہ تو احوال شہر کے لوگوں کا تھا
اور راجا بیمار سا دل بدن زرد ہوا جاتا تھا مس مارے ہوئے بیکل رہتا بار بار چھاتی
بھر آتی اور آنکھ آنسوؤں کی جھڑی لگاتی راج کاج سے دل اُٹھا ئے اکیلا بیٹھا رہتا
بھرا جہاں اُسے خالی معلوم ہوتا کچھ اچھا نہ لگتا دل میں خیال اُسکا کر کے آنکھیں بند
کر لیتا اور اُسکے دھیان میں بہیروں باتیں کر کے دل بیتاب کو تسلی دیتا کبھی اُسکو
خیال میں سامنے کر کے کہتا تم سختی دل سے دور کرو ظاہر ہو کر مجھ غمگیں کو دکھائی
دو تب مجھے تمہاری یاد نہ آئی جیسی کی ویسی میں نے اب سزا پائی کدورت اپنے
دل سے صاف کرو خدا کے واسطے ایک تقصیر میری معاف کرو میں جیسا ہوں
ویسی ہی مجھسے بن آئی تم اپنی بھلائی نہ چھوڑو غصہ جانے دو دل میں رحم کر کے
ادھر منھ موڑو ۔

یہ کہکر راجا کو غش آ گیا منھ پر زردی چھا گئی بدن پسینا پسینا ہو گیا ہاتھ پاؤں سے
حرکت جاتی رہی اتنے میں چترکا نام ایک چیری راجا کے پاس دوڑی آئی

یہ حالت دیکھکر بے اختیار روئی اور پنکھا جھلنے لگی جب کچھ ہوش اُسے آیا غفلت سے
آنکھ کھول دی سرپر لونڈی کو روتے دیکھ آہ کرکے بولا تجھے کیا کام تھا جو تو ادھر آئی
میں کس آرام میں تھا کیوں مجھے جگاکر بیچین کیا پھر تو نے نئے سر سے یاد دلائی
غم کی ایک کتاب جب اُسنے کھولی تب وہ چتری لونڈی بولی مہاراج معلوم ہوا
کہ سکنتلا کو یک بیک راہ میں سے کوئی چھلاوا تھا جو یوں چھلکر لیگیا پھر ظاہر نہوا جو
کیا ہوگئی تب راجا نے کہا مینکا پری جو اُسکی ماتھی اُڑاکر لیگئی جب اُسنے اُسے اس
حالت سے دیکھا کہ ادھر میں نے منھ نہ لگایا بیمروتی سے پیش آیا ہر چند وہ منت
وزاری سے کس کس طرح جتا جتاکر اور یاد دلا دلاکر کہتی رہی آنسوؤں کی ہر ایک آنکھ
سے اُسکی ندیاں بہتی رہیں تب بھی میں نے غفلت سے کچھ پروا اُسکے احوال
پر نہ کی اُدھر منی کے دونوں چیلوں نے بھی یہ حالت دیکھ چھوڑکر گھر کی راہ لی
مہر مادری سے اُس ماہ لقا کو اُسکی ماں نے اُس بلا سے نجات دی چتری اس بھید سے
آگاہ ہوکر بولی اختیار کی باگ ہاتھ سے نہ دیجیے اور تھوڑے سے دنوں صبر کیجیے امید
قوی ہے کہ تمہارا اُسکا ملاپ ہوگا جسکی یہ حالت بیاں کی کیونکر اُسے بغیر تمہارے
کل پڑیگی جب تمہاری چاہت میں اُسکی بیقراری اور نالہ وزاری اُسکی ماں دیکھیگی کب
اُسے گوارا ہوگا کہ وہ بسمل[*] تڑپ تڑپ کر یوں جان دے علاج اُس جاں بلب آمدہ
کا تمہارے لب جاں بخش سے کریگی خاطر پریشاں کو جمع کیجیے اور جو میں نے
خدمت عالی میں عرض کی ہے وہ شدنی ہے ہوئی جانیے

وہ کہنے لگا ایسی قسمت میری نہیں میں یہاں خاک پر وہ وہاں افلاک پر میرے

* بسمل کا اطلاق نیم کشتہ پر ہوتا ہے اور یہ لفظ بسم اللہ سے ماخوذ ہے اور اُسکی اصل یہ ہے کہ اہل اسلام جانور
کے ذبح کرنے کے وقت خدا تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہیں ۱۲

اُسکے فرق زمیں و آسماں کا درمیاں ہے ملاپ ممکن نہیں کہ ہوگا

درد میرے دل سے کب یہ جائیگا	چین اکدم مجھکو کیونکر آئیگا
کاش تو جلدی نکل جاتی سے جی	ورنہ اب ایذائیں کیا کیا پائیگا

پھر چیری سنے ہاتھ جوڑکر عرض کی میں نہیں کہتی تمسے بات جھوٹی یہ کیونکر مل گئی انگوٹھی کب یہ پانی میں گری تھی کس وقت ملاح نے پائی پھر کہاں سے مہاراج کے ہاتھ میں آئی اُسے چترائی سے اُسنے یوں سمجھایا اور اِس الفت کے دیوانے نے یہ بھید انگوٹھی کا اس پایا

وہ جو برہ کے دریا میں ڈوبا ہوا تھا تب اُسی انگوٹھی سے یوں کہنے لگا میں سمجھا تھا کہ دنیا میں ایک میں ہی کمبخت ہوں پر تو بھی بڑی بے نصیب ہے تجھے وہ ہاتھ میں رکھتی تھی تو چھوٹ اُس سے جدا ہوئی اور میں بھی ڈھونڈھتا ہوں کہ وہ میری آرام جاں کیا ہوئی ہم دونوں کو پچھتاوا ہے مجھے اُسکی دوری نے مرنے کے نزدیک پہونچایا اور تیرے لیے یہ حلقہ تیرا بن گرداب ہے کہاں ویسی صورت مجھے نظر آویگی اور کب تو ویسا ہاتھ پاویگی وہ بیحواسی میں دیوانہ سا بیکل رہتا تھا اور جی میں جو آتا تھا سو کہتا تھا

اب سکنتلا کا احوال سنو جب مینکا اُسے وہاں سے اُٹھاکر لیگئی کشیپ منی کے استھان میں جاکر آتارا بودوباش اُسکی وہیں مقرر کی رات دن وہاں رہنے لگی کوئی ایک دنوں کے بعد مینکا پری نے راجا اندر سے جاکر کہا تم راجا دشنیت کو یہاں بلا بھیجو وقت ملاقات کے سمجھا سکنتلا کے احوال کی یاد دہی کر ہاتھ پکڑ ملا دو انکی توجہ سے آپس میں ان دونوں کا ملاپ یوں نظر آتا ہے راجا نے قبول کر

اُسکے بلانے کے لیے ماتل رتھباں کو حکم کیا کہ تخت لیجا اور دشینت کو ہماری طرف* پیغام دیکر جلد سوار کر کے لے آ

ماتل بموجب امر کے روانہ ہوا جب وہاں سے راجا کی ڈیوڑھی پر پہونچا وہ تو دکھ میں تھا کہ رتھباں نے اہل کاروں اور عرض بیگیوں سے ظاہر کیا مجھے راجا اندر نے بھیجا ہے خبر کرو چوبداروں نے سنتے ہی راجا سے عرض کی مہاراج راجا اندر نے ماتل رتھباں کو بھیجا ہے اور ایک خوب صورت تخت آپکی سواری کے واسطے لایا ہے راجا نے وہیں بلا لیا ماتل نے سلام کیا تب راجا نے یہ پوچھا کہو سب کے سکھ دینے والے راجا اندر خیر و عافیت سے رہتے ہیں اسنے صحت و سلامتی بیان کر کے عرض کی کہ مجھے مہاراج نے یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ دیو ہمسے لڑتے ہیں ہماری کمک کو آیئے اور انھیں سزا کو پہونچایئے راجا نے اُسکی خیر و عافیت پوچھی پھر راجا اندر کی تعریف کرنے لگا زہے نصیب ہمارے کہ راجوں کا راجا مہاراج ہمیں اس مہربانی سے یاد فرماوے یہ محض بندہ نوازی ہے وگرنہ ہماری کمک کے کب محتاج ہیں جس بندے کو حکم کریں ایک آن میں انکا کام تمام کر دے

پھر اچھی سی اچھی پوشاک پہنکر تمام ہتیار بدن پر سجکر تخت پر بیٹھ خدمت میں راجا اندر کی روانہ ہوا جب آدھی راہ طے کر کے نصف آسمان تک پہونچا ایک پہاڑ اچھا نظر پڑا رتھباں سے پوچھا یہ کوہ بایں شکوہ کونسا ہے اور اسکا نام کیا ہے اُسنے عرض کی ہیم کوٹ اسے کہتے ہیں اسمیں کشیپ منی رہتے ہیں

* یہاں جگر کی جگہ سجا کر چاہیے ۱۲

راجا نے کنیب منی کا نام سنکر اُس سے کہا تخت کو اُس طرف پھیر ہم اُنکا درشن کرینگے وہ تخت اُس طرف پہنچا جب نزدیک جا پہونچا تخت سے اُتر وہاں کی سیر کرنے لگا پھول رنگ برنگ کے تمام اُسپر کھلے ہوئے دیکھے پانی چشموں سے جاری درخت سب میوہ دار ہر ایک ٹہنی پر جانور بول رہے اور چہچہے کر رہے اتنے میں سکنتلا بھی اُس طرف آگئی

راجا نے خجالت سے اُس مجاب زدی کو دیکھا کہ دردِ فراق اُسکے دل میں کارگر ہے اور احوال اُسکا نوع دگر ہے منھ اُترا ہوا بال سر کے چکٹے کپڑے بدا کے میلے وہ جو اس صورت سے نظر آئی زار زار رونے لگا اور وہ شرم سے سر نہوڑائے ہوئے پاس آکر کھڑی ہوئی اُسوقت راجا کو اور بات کچھ بن نہ آئی پاؤں پر گر پڑا سکنتلا بولی کیوں مجھے گنہگار کرتے ہو آپ بھی رونے لگی اور سر کو پاؤں پر سے اُٹھا کر کہا مہاراج اب تمھیں کیوں ہوش آیا راجا نے کہا تقصیر میری معاف ہو کچھ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کیا ہو گیا تھا جو میں نے یہ نالائق باتیں کیں لیکں اتنا دریافت ہوتا ہے کہ یہ انگوٹھی جب میں نے پائی تب مجھے سدھ بھولی ہوئی یاد آئی تب سے جاں وبالِ تن ہے ایک دم کی دوری ہزار طرح کا رنج و محن ہے جو کچھ مجھسے گناہ ہوا ہے معلوم نہیں ہوتا کیا اسرار تھا خفگی جانے دو میں اپنے گناہ کا آپ اقرار کرتا ہوں اُس سے درگذر و جو جو بیدردیاں اور سختیاں میں نے کیں ہیں لطف و مہربانی سے انھیں بھول جاؤ خاطر میں ہرگز نہ لاؤ مجھے سخت پشیمانی حاصل ہوئی ہے پس اب رنجیدگی دور کر و میرے دل غمگیں کو مسرور کرو یہ کہا اور ہزاروں منت و سماجت کی سکنتلا نے کہا مہاراج گناہ تمھارا کچھ نہیں یہ میری قسمت کی خرابی

آپس میں وے دونوں یہ باتیں کر رہے تھے جو کشیپ منی نے راجا کے آنے کی خبر سنکر بلایا وہ جب پاس گیا پہلے ڈنڈوت کر کے قدم لیے پھر ہاتھ باندھکر گنہگاروں کی طرح آگے کھڑا رہا سکنتلا بھی سر نیچے کیے ہوے حاضر ہوئی اُنھوں کی طرف غور و تامل سے دیکھکر منی نے کہا کہ راجا یہ اپنے خاندان کی بہت نیک ہے اور تم بھی نیکذات اور نیک صفات ہو سنجوگ تمھارا نیک ہوا ہے اب سکنتلا کو لیکر گھر جاؤ خوشی و خرمی سے عیش و عشرت کرو۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک وکیل راجہ اندر کا وہاں آپہونچا اظہار کیا کہ راجا نے کہا ہے جو ہمیں منظور تھا وہ مقصد راہ میں پورا ہوا اب تم اپنے مکاں کی طرف پھر جاؤ یہ سنتے ہی ڈنڈوت کر کے اور تخت پر سکنتلا کو بٹھا آپ بھی سوار ہو گھر آیا اس طور ان مشتاقوں کی آپس میں ملاقات ہوئی طالع سوتے ہوے دونوں کے جاگے دکھ درد اُنکے دلوں سے یک لخت بھاگے دونوں خوش و خرم ہوئے سکنتلا رانی ہوئی اور راجا اپنے راج میں حکمرانی کرنے لگا تمام رعیت اُنکی خوشی سے شاد ہوئی وہ نگری پھر سر نو آباد ہوئی سب مطالب و مقاصد اُنکے دلوں کے بر آئے اپنے اپنے حسن و جوانی کے خوب خوب مزے اُٹھائے اب یہ کہانی یہاں تمام ہوئی اے جواں لفظ و معنی سے بخوبی سرانجام ہوئی از بسکہ زباں ریختہ میں لکھی سال ہجری کے موافق ریختہ تاریخ ہوئی

سکنتلا کا انتخاب تمام ہوا

آرائشِ محفل کا انتخاب

صوبۂ دار الخلافت شاہجہاں آباد

ہندی فارسی کی تاریخوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہر ہستناپور گنگا کے کنارے پر اگلے زمانے میں تختگاہ ہندوستان کے پادشاہوں کے تھا وسعت و رونق بھی اسکی اُس عصر میں حد سے باہر تھی زبان اسکے بیان سے قاصر ہے اگرچہ اب بھی نہایت آباد ہے لیکن جیسا پانڈوں اور کوروں کے وقت میں لبنا تھا سو کہاں جب دونوں فرقوں میں بیر اکھیری ہوئی اور پھوٹ پڑی تب پانڈوں نے اُس ملک کو چھوڑا اور شہر اندرپرستھ کہ جمنا کے کنارے پر تھا اُسمیں آرہے بلکہ اپنا دار السلطنت بھی اسی کو ٹھہرایا بعد ایک مدت کے راجہ اننگپال تونور نے بکرماجیت کے کچھ اوپر ایک ہزار دو سو سن میں ایک قلعہ و شہر اپنے نام کا بنایا چنانچہ سلطان قطب الدین ایبک و سلطان شمس الدین التمش نے بعد اُسکے اپنا رہنا اُسمیں مقرر کیا مگر سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک اور قلعہ چھ سو ساٹھ ہجری میں بنا کیا اور اُسکا نام مرزغن رکھا پھر سلطان معز الدین کیقباد نے سن چھ سو چھیاسی میں جمنا کے کنارے ایک اور شہر پر فضا و عمارات اُسکی دلکشا آباد کیا نام اُسکا کیلوگڑھی رکھا اُسی کی امیر خسرو نے

قران السعدین میں تعریف کی ہے بعد ازاں سلطان جلال الدین خلجی نے شہر کوشک لعل اور سلطان
علاء الدین نے کوشک سبز بسا کر اپنا اپنا ہر ایک کو دار السلطنت کیا پھر سلطان غیاث الدین
تغلق شاہ نے سن سات سو پچیس ہجری میں شہر تغلق آباد کی تعمیر کی پھر اُسکے بیٹے سلطان محمد معز الدین
جوناں نے ایک اور ملک کی بنیاد ڈالی اور ہزار ستوں کا ایک قصر بنایا سوائے اسکے اور بھی
مکانات سنگ رخام کے پاکیزہ پر فضا بنائے پھر سلطان فیروز شاہ نے سن سات سو پچپن ہجری
میں شہر فیروز آباد نہایت وسعت و عظمت کے ساتھ بسایا اور جمنا کو کاٹ کر اُسکے نیچے لایا ساتھ ملکے
تین کوس کے فاصلے پر ایک اور محل مع منارہ جہاں نما بنایا چنانچہ وہ منارہ ابتک قائم ہے عوام الناس
اسکو فیروز شاہ کی لاٹھ کہتے ہیں بعد اُسکے سلطان مبارک شاہ نے مبارک آباد آباد کیا اور نو سے انتیس
ہجری میں ہمایوں پادشاہ نے قلعہ اندرپرستھ کی مرمت و تعمیر کرکے دین پناہ نام رکھا اور اپنی تختگاہ
مقرر کیا پھر شیر شاہ پٹھان نے کوشک سبز کو اُجاڑ کر ایک اور شہر بسایا اور اُسکے بیٹے سلیم شاہ نے سلیم گڑھ
بنایا اب تلک بھی وہ شاہجہاں آباد میں جمنا کے اندر قلعہ ارک کے سامنے موجود ہے اگرچہ ہر ایک نے
اُن بادشاہوں میں سے ایک ایک شہر بسا کر اپنا دار السلطنت مقرر کیا لیکن ہندوستاں
کے بادشاہوں کی تختگاہ ملک بلک دلّی ہی مشہور رہی پھر سن ایک ہزار اٹھتالیس
ہجری میں مطابق بارھویں برس جلوس کے شاہجہاں صاحبقران ثانی نے دلّی
کے قریب ایک شہر بنیاد کیا اور شاہجہاں آباد اسکا نام رکھا اُسکی خوش نیتی سے اس
ملک نے یہ رونق اور آبادی پکڑی کہ جتنے ملک اگلے بادشاہوں کے بسنے میں آئے
تھے گمنام ہو گئے فقط اُسی کا نام رہ گیا جیسے سمندر میں بہتیرے بڑے بڑے دریا ملے
ہیں پر نام اُسکا ہی باجتا ہے قلعہ بھی اُسکا سنگ سرخ کا اِس مضبوطی و خوش اسلوبی کے ساتھ
بنا ہے کہ معمار قضا و قدر کی زبان اُسکے اوصاف میں لال ہے پھر ساخت تو اُسکی سی

امر محال علاوہ اسکے مکانات قسم قسم کے متعدد پاکیزہ خاصے اور باغ بھی اسکے گلشن جہان کے خاصے نہریں جاری جابجا حوض ہر ایک مکان میں کٹورا سا بھرا ہوا جدھر دیکھیے کیفیت نئی نظر آئے جسطرف نگاہ پڑے دہیں رہ جائے اگر رضوان وہاں کی بہار دیکھتا تو روضۂ رضوان کی دربانی سے ہاتھ اٹھاتا

جناں کا ہر مکاں اسکا نمونا
خوشی اسلوبی میں بلکہ اس سے دونا

پھلیں پھولیں ہمیشہ واں کے گلزار
خزاں ان تک نہیں پاتی کبھو بار

نرالی جگ سے رنگ و بو گلوں کی
حلاوت اور ہی کچھ ہے پھلوں کی

وہاں کے طائروں کا رنگ ہی اور
ہے انکے زمزموں کا ڈھنگ ہی اور

میں ہر اک شئے کو دوں تشبیہ کس سے
کہ وہ ملتی نہیں اس سے اور اس سے

گرد اس قلعۂ مبارک کے ایک کھائی نہایت چوڑی چکلی گہری بھی ایسی کہ عمق زمین اسکے ورے اور وہ اس سے کہیں پرے پانی اسکا ایسا لطیف و شفاف اگر ایک خشخاش کا دانہ بھی اسکی تھاہ میں ہوئے تو اندھیری رات میں صاف نظر آئے اور جو اندھا بھی اسمیں ایسا غوطہ لگا سکے تو بلا شبہ نکال لائے۔

نظر آتی ہی اسکی تہ میں رائی *
کہاں یہ آب گوہر میں صفائی

اگر پڑ جائے اسکے بیچ اک بال
تو یوں آوے نظر موتی کا جوں بال

جمنا بھی اس قلعہ کی تشنۂ دیدار ہو کر جانب شرقی سے آئی اور اسکے تلے نہایت آب و تاب سے بہنے لگی پھر نواب علی مرداں خاں مرحوم دریائے مذکور کو کاٹ کر شاہ نہر بہ صد بہار کے اوپر سے لایا کوچہ و بازار کی رونق زیادہ بڑھی اور شہر کی آبرو دونی ہوئی اکثر لوگوں کی حویلیوں میں پہنچے

* رائی ایک لفظ ہے پنجابی ہے اور اسی طرح اسکا تلفظ صحیح ہے اور عجب نہیں ہے کہ کسی نسخ کا بگڑا ہوا ہو جو ایک عربی لفظ ہے ۱۲

ٹھنڈے پانی سے معمور رہنے لگے اور حوض و تالاب بھی دو تخانۂ والا کے بھر پور با خوبی
میں وہاں کے شادابی اکثر رہنے لگی اور چمنوں میں طراوت بیشتر حتا کہ وہ بزرگ بہشتی تھا
کہ اُسکی کمائی سے شاہ و گدا کو فیض ہوا

رکھے حشر میں اُسکی حق آبرو	کہ فیض اُسکا جاری ہوا کو بکو

شہر پناہ اُسکی سنگین نہایت پختہ و مضبوط عرض و طول و بلندی و خوش اسلوبی اُسکی
عقل احاطہ نہیں کرسکتی بلکہ ایک جبت کی پیمایش کا دھیان نہیں دھر سکتی اندر باہر
اُسکے لبستی حد سے باہر چپے چپے پر آبادی جدھر تدھر عمارتیں انواع و اقسام کی خوبصورت
کثرت سے حویلیاں طرح بطرح کی خوش اسلوب بہتایت سے باغوں کی بہار نہر اں
چمنوں میں دائم طلسمات کا سا سماں ہر ایک محلہ اُسکا اقلیم سے زیادہ پُر فضا چھوٹے سے
چھوٹا کوچہ اُسکا شہر سے بڑا ہجوم خلائق ہر سر راہ ہر ایک مقام ایک تماشا گاہ شہر شہر
گاؤں گاؤں کے باشندوں نے اپنی بہبودی اور آسایش جو دیکھی بود و باش وہیں اختیار کی
غرض ہر صنف کے اشخاص و ہر ملک کی اشیا جب چاہو کثرت سے دیکھ لو کسی چیز کی
کمی کسی وقت ممکن نہیں کہ ہو اگرچہ بازار سارا ہی اُسکا اپنے عالم میں اعلیٰ ہے پر چاندنی چوک
تمام شہر کا اُجالا ہے ہر دکان اُسکی بے مانند جس جنس کو دیکھو پادشاہ پسند صحن
یہ کشادہ کہ دل کھلجائے صاف ایسا کہ آدمی چاول بکھیر کر کھائے دلال اس بازار کا
سوداگروں کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا بساطی وہاں کا جوہریوں کو خاطر میں نہیں لاتا
دکان ایک بزاز کی استنبول کے بزازے برابر کوٹھی ایک صراف کی تمام ایران کے صراف برابر

روپے ہر اک دکاں میں ہیں کھنکتے	کٹورے رات بھر بجتے چھنکتے
لگے ہیں ہر طرف پھولوں کے انبار	گلی کوچہ ہر اک ہے رشک گلزار

فواکہ کا وفور اس درجہ ہیگا
طعام اقسام کا جو کوئی منگوائے
جو ٹھاٹ اک سلطنت کا ہوئے درکار
اگر اسباب چاہے ایک لشکر
نہیں ہر اہل حرفہ کوئی بیکار
جوادنی واں سے ہے دکاں جواہر
گر اک اقلیم کا آ جائے واں مال
کوئی بیپاری ہو کا ہیکو فکر ہی

سے ملے ہے تازہ میوہ اصفہاں کا
بقدر اک فوج کے بازار سے آئے
تو حاضر کردے وہیں اک دکاندار
تو ہاتھ آ جائے بس اک دن کے اندر
ہی نت بیع و شرا کا گرم بازار
وہی سے ہیگاں کاں جواہر
تو لے اک مہاجن اسکو فی الحال
کہ واں ہر شے کی نت رہتی ہے بکری

فی الواقع اس مقام فرحت انجام کو جتنا سراہیے بجا ہے لیکن اردو سے معلے کا عالم ہی جدا ہے فضا اسکی نہایت پاکیزہ و وسیع عمارات وہاں کی بمرتبہ اسلوب سے ارور فیع صحن اسکا رشک صحن گلزار دکاں ہر ایک بازار کی بہار اہل حرفہ سب کے سب مرفہ احوال کوٹھے انکے نقد و جنس جواہر سے مالا مال نہ کسی چیز کی وہاں کمی نہ کوئی بشر اس آبادی میں غمی

ہے دروازہ اسکا گلستاں کا باب
فضا اسکی دیکھے اگر اک نظر
بھلاتی ہے یک لخت غم اسکی سیر
سماں واں کا دیکھے اگر اک ذرا
بہشت میں سے یوں اسکی تعریف کی

بیاض جہاں کا ہے وہ انتخاب
تو ولتنگ ہووے نہ پھر عمر بھر
خوش آتی ہے بس دمبدم اسکی سیر
تو مانی* نہ لے نام ارژنگ کا
ہے اردو کی بولی کا ماخذ وہی

اور نخاس کے بازار کی طرز ہی جدی فضا اسکی فضائے عالم سے بھی بڑی

* مانی ایک مشہور نقاش اور ارژنگ اسکے نگارخانہ کا نام ہے ۱۲

صحن اسکا اقسام کے چارپاؤں سے مالامال زہیں اسکی نہایت صاف ٹباڈھال ہر ایک طرف خلق کا ایک ڈنگل جابجا چہل پہل چابکسوار قسم قسم کے گھوڑوں کو پھیر رہے ہیں خریدار دلالوں کو گھیر رہے ہیں سودا وہاں کا دست بدست ہر ایک دلال گوڈیالا مال مست کوئی گھوڑے کے مول تول کے لیے ہاتھ لاتا ہے کوئی کھرا ٹٹو ہی چکاتا ہے ایک طرف سپاہی پیشہ بھلے آدمی چبوتروں پر اپنے اپنے زین پوش بچھائے حقہ لگائے بیٹھے ہیں کسی طرف بانکے ٹیڑھے اپنی مجلس جمائے بیٹھے ہیں ایک طرف کئی شہدے تکستے سلفے کے دم مارتے ہیں کہیں دوچار لنجے پچنے زیادہ گو اپنے اڑھائی چاول جدے ہی بگھارتے ہیں غرض میلے کی سی دھوم اور جھڑپوں کا سا ہجوم ہر روز سوارے جمعے کے دوپہر ڈھلے تک رہتا ہے

خلق کا رہتا ہے زبس اژدحام
مجلس ہر اک قسم کی واں خوار ہے
اسپ ہر اک ملک کے ہیں بیشمار
گو کہ بہ کثرت ہے بہ قیمت گراں
بسکہ وہاں رہتی ہے نت لاؤ لاؤ
گھوڑے کا مت پوچھیے کچھ مول تول
گھوڑا ہر اک شخص کو درکار ہے
بلکہ یہ احوال ہے ہر طفل کا
کوئی کھلونا اسے کیسا ہی دے
دیکھا کمھاروں نے جو یہ کچھ سبھاؤ

رہتی ہے نت میلے کی سی دھوم دھام
گھوڑوں کی یہ گرمیِ بازار ہے
مانگو اگر ایک تو لاویں ہزار
سستا اگر چاہو تو پاؤ کہاں
بڑھتا ہی جاتا ہے سدا انکا بھاؤ
ٹٹو ہے کنکائی کا ترکی کے مول
پیر و جواں جو ہے خریدار ہے
دائی سے کہتا ہے کہ گھوڑا ہی لا
گھوڑے سوا یہ نہیں ممکن کہ لے
مٹی کے گھوڑے کیے نقرے کے بھاؤ

الغرض اس ملک مبارک بنیاد کا ہر ایک محلہ خوش سواد اور ہر مقام آباد
بنا برآں اسکے مسجدیں خانقاہیں مدرسے پاکیزہ و دلچسپ کثرت سے ہیں اور خانہ باغ بھی
بہتایت سے لیکن سن ایک ہزار سات ہجری میں مطابق چوبیسویں سال شاہجہانی
کے ناف شہر میں ایک جامع مسجد سنگ سرخ کی ایسی بنی کہ اگلوں نے نہ ویسی دیکھی پچھلوں
نے سنی نیو اُسکی تا بسمک منارے اُسکے سر بفلک گنبد چرخ بلا گرداں اُسکے
گنبدوں کا عالم بالا تک جلوہ اُسکی برجیوں کا زینہ اُسکے منبر کا پایۂ عرش سے اونچا
ستون کہکشاں اُسکے ستونِ در سے نیچا محراب اُسکی محل اجابتِ دعا نمازی وہاں کا
مقبول درگاہ کبریا دیواریں سدِ سکندر سے بلند تر صحن اُسکا صحن فردوس کے برابر

حوض ہے اک صحن میں اُسکے لطیف — پاتے ہیں فیض اُس سے وضیع و شریف
سنگ ہر اک اُسکا بہ از یشم ہے — چشمۂ حیواں کا وہ ہمچشم ہے
جو کہ نمازی کرے اُس سے وضو — حشر میں محشور ہو با آبرو
ایک بھی بوند اُسکی اگر جنے پی — اُسکو ہو التصفیۂ باطنی
اُس سے طہارت ہو سراپا نجات — ہے وہ گنہگاروں کو آبِ حیات
جو کوئی اک قطرہ بھی اُسکا پیے — پیاس نہو حشر میں بھی گر جیے
غسل جو اکبار بھی اُسمیں کرے — سائے سے بھی اُسکے جہنم ڈرے

ہر چند مسجد و باغ اور مسافر خانے کی بنا سے بھی فائدہ لا کلام ہے کیونکہ بنانے والے
کا دنیا میں نام اور خلق کو بلا شبہہ آرام ہے لیکن حمام کی تعمیر ہر پیر و جواں کی راحت کا
موجب ہوتی ہے اور ہر شخص کے دل کی کلفت کھوتی ہے چنانچہ بادشاہی حمام سے
اس شہر میں ایک فیض عام ہے کوئی بشر محروم نہیں ساخت میں وہ فلاطوں کی

حمام سے خوبتر در و دیوار اُسکے خوش اسلوب سراسر سطح اُسکے گنبد کی کرۂ نار سے
ملی ہوئی اور دیواروں کی نیو مرکز زمین سے لگی ہوئی جامہ خانہ اُسکا بہترین مکانات
حوض وہاں کا خشک مزاجوں کے لیے آب حیات مطبخ اُسکا فخرِ آتش سوزاں کا
ماہ آئینہ اُسکے تابداں کا حرارت اُسکی حرارت غریزی کو بھڑکائے اور رطوبت اُسکی
رطوبت اصلی کو بڑھائے

پاتے ہیں یاں چین سبھی خاص و عام
تیل سے ملے اُسمیں گر اکبار جو
میل جو کوئی چاہیے کہ دل کی چھڑائے
اُسمیں نہاوے جو کوئی ایک دم
وصف کرے اُسکا سخنداں اگر
اُسکی جو تعریف میں کھولے دہن

بس یہی حمام ہے خیر المقام
اُسکو یبوست کا مرض پھر نہو
حوض میں بس اُسکے وہ غوطہ لگائے
قلب پر اُسکے نہ رہے گرد غم
پھر نہ کہے شعر بجز شعر تر
گرم رہے اُسکا ہمیشہ سخن

القصہ اُس شہر کا ہر مکاں لاثانی ساتھ اُسکے عمارت کی فراوانی پر بستی کے
اندر جیسی مکانات کی کثرت ہے ویسی ہی باہر قبروں کی بہتایت اکثر بادشاہوں وزیروں
امیروں کے مقبرے اطراف میں ہیں پر مشہور مقبرہ ہمایوں بادشاہ کا کیقباد کی کیلوگڑھی
میں جمنا کے کنارے پر ہے سوائے اسکے وہ علما فضلا فقرا کہ اپنے عہد میں مشہور آفاق تھے اُنکے مزار
بھی اس کثرت سے ہیں کہ ایک شہر خموشاں بستا ہے چنانچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بن
خواجہ کمال الدین موسیٰ کی درگاہ شہر سے سات کوس پر ہے وطن اُس بزرگ کا فرغانہ جذبۂ الٰہی نے
لڑکائی ہی میں اُسے اپنی طرف کھینچا اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے تصفیہ باطنی حاصل ہوا
پھر بارہ برس کی عمر میں خواب کے بیچ خواجہ معین الدین چشتی سے ارادت حاصل کر کے سفر کو

نکلا جب بغداد میں پہونچا بہت ولیوں سے فیضیاب ہوا وہاں سے ملتان میں آیا اور مخدوم بہاؤالدین زکریا سے بھی ملا بعد اُسکے سلطان شمس الدین التمش کی سلطنت میں اپنے مرشد کے دیدار کا اشتاق ہوکر دلّی کی طرف روانہ ہوا اُس بزرگ نے بھی کشف قلب و صفائی باطن سے اُسکے ارادے کو پاکر اُسی دیار کی طرف کوچ کیا حاصل یہ ہے کہ دونوں برگزیدۂ حق جیسے کہ ملاقات باطنی سے آپسمیں شاد تھے ویسے ہی وصال ظاہری سے بھی مسرور ہوئے اور چندے ایک جا رہے آخر خواجہ معین الدین چندروز کے بعد اجمیر کو تشریف لیگئے اور وے اسی شہر میں مقیم ہوئے اکثر اشخاص اُنکی بدولت فیض کو پہونچے بعد ایک مدت کے چودھویں ربیع الاول کو سن چھ سو بیس ہجری میں دنیاے فانی کو چھوڑکر عالم جاودانی میں جا رہے اور قریب اُسکے مزار سلطان المشائخ نظام الدین اولیا بن احمد بن دانیال کا ہے تولد اُس بزرگوار کا سن چھ سو تیس ہجری میں غزنین کے بیچ ہوا جب سن تمیز کو پہونچا اتفاقات سے بدایوں میں آیا اور وہیں علم ظاہری سے فراغت حاصل کی ازبسکہ مباحثے میں طالبعلموں پر اکثر غالب ہوتا تھا بسبب اسکے نظام محفل شکن اُسکا نام ٹھہرگیا بعد اُسکے بیس برس کی عمر میں قصبہ اجودھن میں پہونچکر شیخ فرید الدین شکرگنج کا مرید ہوا اور علم باطنی اُنسے بخوبی سیکھا پھر رخصت ہوکر ہدایت خلق کے لیے دلی میں آیا وہاں بہت سے طالبانِ حق نے اُس سے فیض پایا چنانچہ شیخ وجیہ الدین یوسف چندیری میں اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی و امیر خسرو دلی میں اور شیخ علاء الحق و شیخ رجی سراج بنگالے میں اور شیخ یعقوب و شیخ کمال مالوے میں مولانا مغیث و مولانا غیاث اُجین اور دھارا میں شیخ حسام الدین گجرات کے بیچ اور شیخ برہان الدین و خواجہ حسن دکھن میں سواے اُنکے اور بھی خلفا شیخ ممدوح کے اکثر بلاد میں معروف و مشہور تھے غرض عالمگیر کے وقت تک اولاد اُسکی اور خلفا انھیں ملکوں میں موجود تھے اور رہنمائی خلق میں مشغول

اسکے احوال معلوم نہیں لیکن صاحب تاریخ فرشتہ یوں لکھتا ہو کہ باپ اُس بزرگ کا غزنین سے ہندوستان میں آیا اور بلدہ بدایوں میں مقیم ہوا وہیں یہ عارف باللہ چھ سو چونتیس ہجری میں جعفر کے بیچ متولد ہوا جب پانچ برس کی عمر ہوئی تب اُسکے پدر عالیقدر نے رحلت کی پھر والدہ نے شیخ مذکور کو پالا جبکہ سن تمیز کو پہونچا اپنی ماں سمیت دلی میں آیا اور علم رسمی وہیں تحصیل کیا آخر سن سات سو پچیس ہجری میں ربیع الاول کی اٹھارہویں کو بدھ کے دن وہ خدا کا پیارا جنت کو سدھارا فی الجملہ ہندوستان میں جمیع اولیا سے اِس مرد خدا کی شہرت رتبۂ ولایت میں بیشتر ہی سلسلہ اسکی بیعت کا شیخ عبد القادر جیلانی کو پہونچتا ہی اور شیخ ممدوح کی ارادت کا سر رشتہ بعد چار واسطوں کے شیخ شبلی سے ملتا ہے وطن اُس بزرگ کا قریہ جیل بغداد کے قریب اور تولد چار سو اکتر ہجری میں علم درسی وہیں بے مثل تھا پر خرقۂ ولایت شیخ ابو سعید مبارک کے ہاتھ سے پہنا کیفیت اُسکے حال قال کی اور حقیقت کرامات وکمالات کی اظہر من الشمس ہے ایک عالم اُسکے دائرۂ بیعت اور احاطۂ عقیدت میں در آیا اور ہزاروں نے رتبۂ تصوف اسکی توجہ سے پایا بلکہ اب تلک بھی ایک خلق اسکی ولایت کی قائل ہے اور ہر دل اُسکی طرف مائل پر شیخ اُسکو بسبب علم وفضل کے کہتے ہیں والا قوم کا حسینی سید ہے نوّے برس اِس دار فنا میں رہا آخر سن پانسو اکتر ہجری میں دار البقا کا راہی ہوا۔

سرکار نارنول ایک قدیم قصبہ ہے دہلی سے پچاس کوس کے فاصلے پر آب وہوا وہانکی نہایت خوب سواد اُسکا ہر ایک صاحب طبع کا مرغوب عمارتیں اسمیں اکثر پختہ و سنگین مقصدی وہاں کی نیٹ رنگین کھیت اُسکے بستی کے قریب اکثر اوقات لڑکے وہاں کے باشندوں کے کھیلتے کھیلتے کھیتوں پر جا نکلتے ہیں اور گھر کو آتے ہوئے

مہندی کے پتے اپنی جوتیوں میں بھر لیتے ہیں غرض گھر پہونچتے پہونچتے پانوں اُنکے لال عنّابی ہوجاتے ہیں شکار بھی ہر قسم کی بہتایت سے چنانچہ چڑیا ر پیسے کے چار چار تیتر بیچ جاتے ہیں پھر گوشت اور ترکاری کسکو غرض ہے کہ منگوائے اور کھائے مگر بضرورت یا بسبب عادت سوا اسکے پھول پھل ہر ایک موسم کی خوشبو خوش ذائقہ بافراط میسر آتے ہیں اور خواہشمندوں کے دل و دماغ کو راحت و آرام پہونچاتے ہیں متوطن وہاں کے منجباشر فا ہر قوم کے پیرزادے سید اکثر بلکہ فضلا علما بھی محمد شاہ فردوس آرامگاہ کے وقت تلک شہر مذکور خوب آباد تھا اور عالم فاضل پر غالب تھے کہ ماہ رمضان میں مقدور نہ تھا کہ دو پہر ڈھلے تلک نانبائی یا بھٹیارا تنور گرم کرے یا بھڑبھونجا بھاڑ جھونکے یا کوئی بازار میں دن دیے حقہ پیے احیاناً اگر کسی سے ایسی حرکت ہوجاتی تو محتسب کے ہاتھ سے اُسکی آبرو جاتی شہر کے اندر باہر درگاہیں اکثر کیونکہ ہزاروں بزرگ صاحب کمال اُس سرزمین میں آسودہ ہیں لیکن صاحب ولایت سید محمد ترک مزار اُس بزرگ کا بستی کے اندر ہے سالہا سال گزرے کہ کفار کے ہاتھ سے وہ بزرگوار شہید ہوا عجیب و غریب حکایات و خرق عادات اُسکے مزار سے وہاں کے باشندے منسوب کرتے ہیں اور بعض جہلا اپنی مرادوں کے لیے جمعرات کو وہاں جاکر چوکیاں بھرتے ہیں لیکن بتخانہ دیہرا اُسوقت تلک قصبۂ مذکور کے اطراف میں کوئی ہندو بنا نہ سکا تھا چنانچہ ایک اتیت نے نواب مظفر خاں دوراں کے بھائی کو بہت سے روپیے نذرانہ دیکر چاہا تھا کہ ایک بتخانہ وہاں بنائے اور بنیاد کفر کی قائم کرے اتفاقاً اُس وقت نواب مرحوم کا قصبۂ مذکور سے سات کوس کے فاصلے پر ڈیرا تھا علاوہ اِسکے سرکار مذکور اُسکی جاگیر بھی تھی غرض اُس اتیت نے آبادی کے قریب بتخانہ کی نیو ڈالی بلکہ تھوڑی سی دیوار بھی اُٹھائی

کہ شاہ عبد الباقی پیرزادے کو یہ خبر پہونچی سنتے ہی سوار ہوا اور سینکڑوں اشخاص خواص و عوام نے اُسکے ساتھ ہو لیے آخر انکر دیہرے کی بُنیاد ڈھائی اور آئیت کو خوب سزا دی اُسنے جا کر نواب سے فریاد کی نہایت غصے ہوا اور کئی سرداروں کو مع فوج بھیجا کہ پیرزادے کی حویلی ڈھا دیں اور گھر لوٹ لیں لیکن شیخ اپنے مکاں میں باستقلال یادالٰہی میں بیٹھا رہا مطلق نہ ڈرا یہاں تلک کہ وہاں کے لوگوں کو منع کیا کہ کوئی میری مدد کو نہ آئے اور اپنے تئیں اس بلا میں نہ پھنسائے کہ سوائے قادر لایزال اس وقت کسی سے یاری و مددگاری منظور نہیں کیونکہ جنگ و جدل فقیروں کا دستور نہیں القصہ وے* لوگ جو بارادہ پرخاش آئے تھے یہ سوچ کر دنیا کے واسطے ایماں کھونا اور عاقبت سے ہاتھ دھونا عبث ہے چار و ناچار ہر ایک شیخ سے بارادت پیش آیا اور نقد ایمان دنیا کے لالچ پر کسی نے نہ گنوایا نواب نے بھی اس ماجرے کو سنکر انفعال کھینچا اور اُس کار ناشائستہ سے ہاتھ اُٹھایا جب احمد شاہ کی بادشاہت+ ہوئی ملک و معاش وہاں کے نجبا کی گھٹنے لگی جماعت میں اُنکے تفرقے نے راہ پائی جسنے سمجھا اپنا جدھر دیکھا اُدھر کی راہ لی آخر شہر مذکور ویرانہ بن گیا اور جسنے چاہا وہاں عمل کر لیا ابتلک تو یہی حالت ہے آگے دیکھیے کیا ہو الغیب عند اللہ۔

* فصحائے دہلی زبان اُردو میں اب ضمیر اور اشارے کے واسطے صیغۂ جمع کا استعمال غیر فصیح جانتے ہیں اور وہاں کے اہل بلاغت اشارۂ بعید میں وہ کتابیں اور وہ لوگ بولتے ہیں دے کتابیں اور وے لوگ نہیں بولتے اسی طرح اشارۂ قریب میں یہ کا استعمال کرتے ہیں یے نہیں لکھتے ۱۲

+ بعض آدمی شرافت کرامت وغیرہ عربی مصدروں پر قیاس کر کے فارسی میں بھی اس قسم کے مصدر دل کا استعمال کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ قیاس غلط ہے بادشاہت کی جگہ بادشاہی بولنا چاہیے ۱۲

اور شاہجہاں آباد سے تیس کوس کی مسافت پر پانی پت ایک قدیم قصبہ ہے شیخ شرف بوعلی قلندر وہیں پیدا ہوا اور چالیس برس کا ہو کے دلّی میں آیا پھر خواجہ قطب الدین کی خدمت میں مشرف ہوا لیکن بیس برس تلک علوم ظاہری کی تحصیل میں رہا جب نور ربانی کی تجلّی اُسکے آئینۂ باطن میں ہوئی ساری کتابیں جمنا میں ڈبودیں اور مسافرت اختیار کی جسوقت روم میں پہونچا شمس تبریز و مولوی روم سے استفادہ اُٹھایا سوائے اِنکے بھی وہاں کے اکثر اولیا سے بہت سا فائدہ پایا ندان اپنے وطن کو پھرا جب کہ وہاں پہونچا کنج عزلت میں بیٹھا یہاں تلک کہ جہاں سے اٹھ گیا اُسکے بھی کشف و کرامات کا ایک عالم گواہ ہے اور مزار ایک جہاں کی زیارتگاہ

سرہند قدیم شہر ہے سامانے کے متعلقات سے فیروز شاہ نے اپنی سلطنت میں سن سات سو ساٹھ ہجری کے بیچ اُسے جدا کر کے ایک علیحدہ پرگنہ مقرر کیا آبادی و رونق اُسکی پھر دن بدن بڑھتی گئی اگرچہ وہاں کی زمین میں بھی اکثر خدا رسیدہ سوتے ہیں لیکن شاہجہاں کے عہد میں شیخ فرید ثانی اور شیخ معصوم کابلی اپنے معاصرین میں نہایت غنیمت و صاحب کیفیت تھے سیکڑوں اُنکے مرید ہوئے اور ہزاروں بھولے بھٹکے اُنکے وسیلے سے منزل مقصود کو پہونچے وے بھی وہیں آسودہ ہیں اور سادھورے میں شاہ قمیص مدفون ہیں یہ بھی اپنے وقت کے فقرا میں نہایت صاحب رتبہ تھے اور سنام میں شیخ نبوئی کی درگاہ ہے وہاں بھی ایک خلق پھول ریوڑی چڑھاتی ہے اور جاہلوں کی گروہ اپنے اعتقاد میں مراد انھیں کے وسیلے سے باقی ہے اور ہانسی میں مزار شیخ جمال الدین کا ہے یہ مرد خدا شیخ فرید شکر گنج کے خلفا سے ہے سوائے اِسکے صوبۂ مذکور میں اور بھی صاحبانِ حال و قال کے مزار بیشمار ہیں لیکن منظور اختصار تھا

بنابر اسکے احوال مفصل انکا نہ لکھا اب تھوڑے سے مکان ہنود کی پرستش کے جو اس
صوبے میں ہیں انکا احوال لکھتا ہوں۔

سرہند سے بیس کوس کے فرق پر بجوانا گھاٹ ایک معبد ہے بیشتر لوگ اسکو جھادیو
کہتے ہیں ہندوؤں کی قدیم پرستشگاہ ہے لیکن فدائی خاں کوکا کہ امرائے عظام سے
تھا اسنے عالمگیر کے سن چار جلوسی میں وہیں رہنا اختیار کیا نام اسکا پنجور رکھا وہاں کے
راجا کو کئی پشت سے راج کرتا تھا حسب الحکم پادشاہ کے نکال دیا اور ایک باغ
نہایت مطبوع خوش قطع پانچ درجے کا بنایا عمارتیں اسکی نپٹ انوٹھی اور بیٹھکیں نہایت
لگو نہیں جی اگر کیسا ہی اداس ہو تو وہاں لگ جائے بلکہ دل پر اداسی پھر کبھو نہ آئے
سوائے مکانات کی صنعت کے یہ عجب کام کیا کہ دامن کوہ کی آبجو کو اس باغ میں اس
حکمت سے لایا کہ وہاں جتنے حوض اور نہروں میں فوارے تھے اسکے پانی سے چھوٹنے لگے
محتاج خزانے کے نہ رہے اور گلاب بھی اس کثرت سے اسمیں پھولتا ہے کہ موسم
میں ہر روز انگشت پھول خوش رنگ و پاکیزہ اترتے ہیں چنانچہ خلاصۃ التاریخ کا راقم
لکھتا ہے کہ میں موسم بہار میں جس دن اس گلزار سراپا بہار کی سیر کو گیا تھا اس دن
چالیس من گلاب کے پھول اس باغ سے اتر کر گلابخانے میں گئے تھے

روش پر بھی اسکی تھے پھولوں کے ڈھیر	نہوتے تھے پر سیر سے اسکی سیر

غرض سال بسال پھولوں کی وہاں ترقی اور بہار کی زیادتی تھی تھانیسر ایک پرانی
بستی ہے سرہند سے تیس کوس پر جنوب رو قریب اسکے کورکھیت نام ایک بڑا تالاب
ہے ہندی کتابوں میں اسکو نافِ زمین لکھا ہے اور پیدایش کی ابتدا بھی ہندوؤں کے
نزدیک اسی مکان میں ہوئی ہے حاصل یہ ہے کہ اسکو بڑا تیرتھ جانتے ہیں اور نہانا اسمیں

ثواب عظیم خصوصاً سورج گہن میں کیونکہ اُس روز دُور دُور سے گروہ گروہ زن ہا مرد عام خاص بلکہ سب چھوٹے بڑے آن کر وہاں جمع ہوتے ہیں اور نقد و جنس انواع و اقسام کے ظاہر و خفی خیرات کرتے ہیں ہر چند کہ اُنمیں کوئی کیسا ہی بخیل یا مفلس ہو پر اپنی قدر و طاقت سے زیادہ وان پن کرتا ہے بلکہ سوائے تالاب مذکور کے اٹھتالیس کوس تک جتنی جھیلیں تالاب حوض کنوئیں اطراف شہر کے اور وے مکانات جنکے نزدیک سرستی ندی بہتی ہے بلکہ وے بیٹھکیں بھی کہ اگلے رشیوں کے نام سے مشہور ہیں اور قدیم کتابوں میں مسطور اُن سب کو تیرتھ جانتے ہیں اسی سبب کہ پانڈو اور کورو کہ پیشوا ہندوؤں کے تھے آپسمیں لڑکر وہیں مارے گئے اور چالیس کوس دلی سے پرے شمال رو سنبھل ایک قدیم شہر اُسمیں ہر مندر ایک پُرانی پرستشگاہ ہنود کی ہے کہتے ہیں کہ دورِ آخری میں ایک اوتار وہیں سے نکلیگا قریب اُسکے نانک متا بابا نانک کے چیلے اور سیوک وہاں اکثر جمع ہوتے ہیں اور جپ تپ میں مشغول رہتے ہیں آنرطرف اُسکے کماؤں کا پہاڑ سونے روپے تانبے سیسے لوہے گندھک سہاگے کی کھان اُسمیں ہے سوائے اِسکے باز شاہین اور چنگل گیر پرندے وہیں سے آتے ہیں بلکہ سُرہ گائے۔ مشک کے ہرن۔ ریشم کے کیڑے۔ پہاڑی ٹانگن اکثر وہیں ہوتے ہیں اور سفید شہد بھی بہتایت سے وہیں ملتا ہے ازبسکہ بستی اُسکی محفوظ اور بے لگاؤ ہے بسبب اُسکے آرتلے کے زمیندار وہاں کے بادشاہوں سے نہیں دبتے ہمیشہ باغی رہتے ہیں راقم ایک مرتبے ہمراہ نواب آصف الدولہ مرحوم کے حسن رضا خاں بہادر

---

* سُرہ گائے ایک قسم کی گائے ہے جسپر بہت سی پشم ہوتی ہے اور اُسے سور یا گائے بھی کہتے ہیں اور اُسکی پشم کی چوریاں بنتی ہیں ۱۲

مغفور کی رفاقت میں نانک ستے تلک گیا ہے لیکن پہاڑ کی گھاٹی میں اتفاق جانے کا نہیں ہوا بلکہ کوئی شخص لشکر کا وہاں نہیں جا سکا فی الواقع راہ اُس پہاڑ کی نہایت سخت اور کُدھب ہے لیکن پہاڑیے وہاں کی جنس سوہ اکثر لاکر لشکر میں بیچ جاتے تھے خصوصاً اخروٹ بہتایت سے اور نہایت سستے۔

الغرض اس صوبے میں دو دریا بڑے ہیں ایک جمنا کہ چشمہ اُسکا معلوم نہیں اکثر سیاح جہاں گرد خصوصاً دسے کہ چیں سے پہاڑوں کی راہ آتے جاتے ہیں اُنکی زبانی یوں سُنا ہے کہ یہ دریا چیں میں سے ہوکر پہاڑوں کو کاٹتا ہوا شہر میں پہونچا ہے کہتے ہیں کہ اُس مُلک میں سونا بہت ہوتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اکثر سنگریزے وہاں کے تاثیر پارس کی رکھتے ہیں لوہا تانبا انکو لگ کر سونا ہو جاتا ہے لیکن پہچانے نہیں جاتے اسواسطے وہاں کے باشندے گھوڑے ٹٹو گاے بیل کے پاؤں میں نعل باندھ کر چرنے کو وہاں کے پہاڑ پر چھوڑ دیتے ہیں بسا اوقات اُنکے نعل سونے کے بنجاتے ہیں اور اُس ملک کے حاکم کے یہاں نقارے بھی سونے کے ہیں پھر اور اشیا اور ظروف کا تو کیا شمار ہے القصہ دریاے مذکور اُس دیار میں سے ہوکر سرمور میں آیا ہے چنانچہ وہاں کے زمیندار سلاطین ہند کو بلکہ دہاں کے وزرا امرا تلک دریا کی راہ سے برف کشتیوں پر بھیجتے تھے اسی سبب عوام الناس وہاں کے راجہ کو برفی راجہ کہتے تھے پھر وہاں سے پہاڑ پر ہوکر اس زمیں سطح پر پہونچا ہے کہ شاہجہاں بادشاہ نے ہیں اُسکے کنارے پر ایک قصر عالیشان بنالیا ہے بلکہ ہر ایک امیر صاحب منزلت نے سواے اُنکے بعضے بعضے اور پادشاہی بندوں نے بھی موافق اپنے قدر و حوصلے کے عمارتیں ستھری ستھری دلچسپ بنائیں ہیں اسی جہت سے وہاں ایک معمورہ مختصر سا لگو نہا بنگیا اور مخلص پور اسکا نام ہوا چنانچہ

پادشاہ اکثر اوقات وہاں سیر کو جاتے تھے اور ایک حظ اُٹھاتے تھے اُسی مقام سے شاہ نہر کہ آدھی جمنا برابر ہے شاہجہاں آباد میں کاٹ کر لیگئے ہیں اور دریاے مذکور پہاڑ سے اُتر کر اکثر محال کی تازگی کا باعث ہوا ہے چنانچہ قلعۂ ارک اور کتنے مکان پادشاہی امیروں کے اُسی کے کنارے ہیں پھر وہاں سے متھرا اور گوکل اور بندرابن میں پہونچا ہے دارالخلافت سے پندرہ فرسخ کا عرصہ رکھتے ہیں پھر اکبرآباد کے تلے گیا چنانچہ وہاں بھی اکثر عمارات پادشاہی اور امیروں کی حویلیاں لب دریا ہیں بعد اُسکے اِٹاوے کے شہر و قلعے کے نیچے جا نکلا پھر کالپی کے متصل گیا اُسکے بعد اکبرپور میں چنانچہ عمارتیں راجہ بیربل کی اُسی کے کنارے پر ہیں اور راجہ مذکور شہر مسطور ہی میں پیدا ہوا اور اُسی شہر کے تلے دریاے چنبل اور بتوہ اور استاں سواے اِنکے اور بھی در*یا گونڈوانے کی طرف سے جدے جدے آکر اُسمیں ملے ہیں پھر جمنا ملکوسے میں ہوکر الہ آباد کے قلعے کے نیچے گنگا سے آملی

اور دوسرا دریا گنگا اُسکے بھی سرچشمہ سے کوئی واقف نہیں لیکن ہندوؤں کے عقیدے میں یوں ہے کہ گنگا بیکنٹھ سے اُتری شرح اِسکی ہنود کی قدیم کتابوں میں ہے اور کیلاس پربت پر ہو چین کے متصل جا نکلی چنانچہ فردوسی کے شاہنامے میں ہے کہ تھر کی عمارات سیاوش بن شاہ کیکاؤس کی لب گنگ ہیں پھر وہاں سے کوہستان بدری میں آئی وہیں ایک احاطہ برف کا ہے کہ ہماچل اُسکو کہتے ہیں ہندو اپنی کایا کو اُسمیں گلانا باعث آخرت کی نجات کا جانتے ہیں چنانچہ پانڈوں نے جا کر اپنے بدن اُسمیں گلائے لیکن کنارے اُس دریا کے اُس پہاڑ میں اِسقدر بلند ہیں کہ پانی بدقت دکھائی دیتا ہے

* صحیح لفظ دریا ہے ۱۲

ناؤ پر آدمی پار نہیں جا سکتے اسواسطے گزارے کی جاگہہ بڑے بڑے موٹے رسّے دونوں
کناروں کے درختوں سے مضبوط باندھتے ہیں اور چھینکوں پر اُنکے سہارے سے پار
اُترتے ہیں غرض بدری ناتھ کی پرستش کو خلائق شہر شہر سے آتی ہے لیکن اِسطرح کا
طور گزارے کا کسی آدمی نے نہیں دیکھا بسبب اِسکے آتے جاتے اُسپر نہایت ڈرتے ہیں
بعد اُسکے دریائے مذکور بدری ناتھ کے پہاڑ سے بہتا ہوا سری نگر تلے آیا اور وہاں سے
رکھی کیش میں جا کر ہردوار کے پہاڑ میں جا نکلا ہے اگرچہ گنگا سرتاسر ہندوؤں کے
مذہب میں پوجنے کے قابل ہے علی الخصوص اُس مقام کے بیچ چنانچہ ہر سال بیساکھی
کے نہان کو ہر طرف سے ایک خلقت آکر وہاں جمع ہوتی ہے پر جس سال کہ مشتری دلو
میں آتی ہے زبانِ ہندی میں اُسے کُنبھ کہتے ہیں اُس برس دور دور کے لوگ
کثرت سے آتے ہیں اور وہاں نہاتے ہیں حاصل یہ ہے کہ وہاں کا نہانا دان پن
اور ناخن لینا سر مُنہ کے بال منڈانا بڑا ثواب جانتے ہیں بلکہ مردوں کی ہڈیوں کو
بھی اُسجگہ گنگا میں ڈالنا وسیلہ نجات کا سمجھتے ہیں اور پانی وہاں کا بطور تحفہ کے
بہنگیوں میں ملک بملک پہونچاتے ہیں لطف یہ ہے کہ مدتوں پانی اُس دریا کا اگر
باسنوں میں رہے مطلق نہیں بگڑتا اکثر اُسمیں کیڑا نہیں پڑتا ساتھ اِسکے میٹھا اور ہلکا
سارے دریاؤں کے پانی سے ہے اُسپر خوبی یہ کہ ہر ایک کے مزاج کو راس آتا ہے
یہانتلک کہ بعضے بیماروں کو شفا بلکہ کتنے مزمن بیماروں کو فائدہ دوا کا بخشتا ہے
باوجود اِسکے تندرستوں کو توانائی تازگی معدے کو صفائی قوتِ ہاضمہ کو ترقی دیتا ہے
سوائے اِن باتوں کے رطوبت غریزی کو بڑھاتا ہے بھوک زیادہ لگاتا ہے رنگ
لال کرتا ہے اور مزاج بحال اسی واسطے ہندوستان کے بادشاہ اور اکثر امرا کہیں

ہوئیں پر اُسی کا پانی پیتے ہیں قصۂ مختصر یہ دریا ہر دوار سے سادات بارھہ کی بستی میں ہوتا ہوا
ہستنا پور کے متصل جا پہونچا پھر وہاں سے گڈھ مکتیسر و انوپ شہر و گمرساس و سورون
اور بداؤں کے قریب اور وہاں سے قنوج کے متصل نداں شیوراج پور اور کچھوے
و مانک پور و شہزادپور میں ہوتا ہوا قلعہ الہ آباد کے تلے جا نکلا ہے وہیں جمنا بھی کئی
دریاؤں سمیت اُسمیں آملی پھر گنگا چنار گڈھ اور کئی محالوں کے تلے ہوتی ہوئی بنارس
کے نیچے جا پہونچی غرض پٹنے کے تلے پہونچتے پہونچتے ستّر دریاؤ اُترا اور دکھن کے
پہاڑوں سے جُدے جُدے آکر اسمیں ملے پر نام اُسی کا باقی رہا مگر پاٹ بہت بڑھ گیا کہ کنارہ
وہاں بدقت نظر آتا ہے اور برسات میں تو دکھائی ہی نہیں دیتا پھر وہاں سے راج محل و
مرشدآباد و میرداد پور و بجراہٹی میں ہوتی ہوئی جہانگیر نگر کے تلے پہونچی ڈھاکا بھی اُسی کا
نام ہے بعد اُسکے کئی فرسخ جاکر دو حصّے ہوئے ایک تو شرق رو جاکر چاٹگام میں شور دریا سے
مل گیا نام اُسکا پدماوتی ٹھہرا دوسرا جنوب کی طرف بہکر تین ٹکڑے ہوا ایک کو سرستی
کہتے ہیں دوسرے کو جمنا تیسرے کو گنگا پھر اُسکے چھوٹے چھوٹے ہزار سوتے ہوکر بندر چاٹگام
کے نزدیک دریاے عمّاں میں مل گئے بعد اسکے سرستی اور جمنا بھی اسمیں آملیں
پر تحقیق یہ ہے کہ گنگا راج محل سے آگے بڑھ کر متصل قاضی ہٹے کے جب پہونچی نام اُسکا
پدّا ہوا وہیں سے ایک سوتا جدا ہوکر مرشدآباد کی طرف گیا پھر ندیا میں پہونچ
جلنگی سے مل کلکتے کے نیچے ہو دریاے شور سے جا ملا اُسی کا نام بھاگی رتھی ہے اور
پدا کی اصل گنگا ہے وہ چاٹگام میں جاکر سمندر سے ملی لیکن ڈھاکے سے یہ دریاؤ
تیس کوس پر ہے متصل اُسکے بوڑھی گنگا قصہ کوتاہ چاٹگام کے دریا تلک پہونچتے پہونچتے
گنگا جمنا سرستی کے ہزار سوتے ہو گئے اور اکثر سیاحوں کی زبانی سُننے میں یوں آیا ہے

کہ گنگا کے کنارے پر ابتدا سے انتہا تلک بیشتر مٹھ مرد چور مفسد راہزن بستے ہیں وجہ اسکی ایک لطف سے صاحب خلاصۃ التواریخ نے یہ لکھی ہے کہ از بسکہ اسمیں نہانے سے گناہ لوگوں کے جسم سے دور ہوتے ہیں اغلب کہ وے ہی بطور تناسخ پیکر انسانی میں جنم لیکر خلق کو یہاں اذیت دیتے ہیں فی الجملہ صوبۂ مذکور کی ہوا قریب اعتدال کے ہے اور زراعت اسمیں بارانی و سیلابی اور کہیں کہیں کنوؤں سے سہ فصلہ ہوتی ہے میوہ بھی بیرا ن تورا ن تلک کا گوناگوں کثرت سے اور پھول خوشبو اور رنگین طرح بطرح کے بہتایت سے ہر فصل میں ہوتے ہیں عمارتیں بھی بڑی بڑی پختہ سنگین و خشتی اغراط سے بنتی ہیں صوبۂ اکبر آباد اسکے مشرق کی طرف صوبۂ لاہور مغرب کی طرف صوبۂ اجمیر جانب جنوب کماؤں کا پہاڑ جانب شمال اور پٹول سے اکبر آباد لیکر تا لودھیانہ کنارۂ دریائے ستلج طول ایک سو ساٹھ کوس کا اور سرکار ریواڑی سے کماؤں کے پہاڑ تلک عرض ایک سو چالیس کوس غرض شاہجہاں آباد و سرہند و حصار فیروزہ سہارنپور و سنبھل و بداؤں و ریواڑی و نارنول آٹھ سرکاریں متعلق انکے دو سو انتیس محال آمدنی اس صوبہ کی چوبیس کروڑ تریسٹھ لاکھ تیئیس ہزار دام اور یہ اصطلاح میں متصدیوں کی پچیسواں حصہ پیسے کا ہے ✦

صوبۂ مستقر الخلافت اکبر آباد

آگرہ ایک گانوں پرگنہ بیانہ کے متعلقات سے تھا سلطان سکندر لودی نے اُس مکان کو پُر فضا دیکھ کر تختگاہ مقرر کیا اور ایک شہر نہایت خوب بسایا اُسکے بعد بادل گڑھ مشہور ہوا پھر شاہ جلال الدین اکبر نے ممالک محروسہ کا بیچوں بیچ سمجھ کر ایک قلعہ نہایت مستحکم بنایا ساتھ اُسکے شہر بھی نہایت وسیع و خوش اسلوب پر عمارات بسایا

سچ تو یہ ہے کہ کسی جہاندیدہ نے قلعہ اس متانت کا اور شہر اس وسعت کا نہیں دیکھا
جمنا جار کوس تلک شہر کے درمیاں بہتی ہے دونوں طرف عمارتیں عالیشان اور رنگ برنگ
کے مکاں خدا کی قدرت کا تماشا دکھاتے ہیں باوجود اسکے اشخاص ہر قوم کے اور باشندے
ہر ملک کے کثرت سے مجتمع علے ہٰذا القیاس اجناس و اشیا بھی ہفت اقلیم کی جیسی چاہیے
ہر وقت بہتایت کے ساتھ موجود بھانت بھانت کے میوے ہر شہر و ولایت کے
اور رنگ برنگ کے پھول ہر فصل میں بخوبی بہم پہونچتے ہیں پر وہاں کے خاص
میووں میں خربوزہ* نہایت شیریں و خوش مزہ و خوشبو ہوتا ہے لیکن کچھ چھوٹا
اسی واسطے اکبر آباد کی جالی مشہور ہے پاں بھی وہاں کا نازک تر ساتھ عطریت کے
سوا اسکے اشیا بھی انواع و اقسام کی لطیف و اعلیٰ بنتی ہیں کاریگر بھی اپنی اپنی صنعت
میں کامل موجود خصوصًا کارچوب یہاں کا سنہری روپہری نہایت چوکھا اور چمکتا
ہوتا ہے بنابر اسکے اکثر سوداگر کارچوبی تھاں اور چیرے خرید کر ملک بملک لیجاتے ہیں
اور انتفاع اکثر اُٹھاتے ہیں قصہ مختصر شہر مذکور نہایت آباد و بارونق ہے فرا بھی
اسمیں عُلما و اولیا کے اکثر ہیں اور مقبرہ محمد اکبر بادشاہ و شاہجہاں کا قریب اسکے نہایت
اسلوب و نمود کے ساتھ ہے
بیانا قدیم زمانے میں ایک بڑا شہر تھا اور قلعہ بھی اُسکا نہایت مضبوط و محفوظ
اگلے وقت میں گنہگار بندیوانوں کو وہیں رکھتے تھے سیندوری وہاں کی نیل رنگیں
اور آم بھی بہت بڑا اونمیں قریب ایک سیر کے

* صحیح لفظ خربزہ بفتح اول و ضم سوم ہے اور یہ لفظ مرکب ہے خر اور بزہ سے خر کے معنی بڑا جیسا کہ خرمہرہ
اور خرسنگ اور خرمگس ہیں اور بزہ کے معنی میٹھا اور آبدار میوہ ۱۲

سیکری ایک گانوں ہے اسی کے علاقے کا اکبرآباد سے بارہ کوس پر اکبر بادشاہ نے
شیخ سلیم چشتی کے فرمانے سے وہاں ایک قلعہ سنگیں بنایا ساتھ اسکے عمارتیں اچھی اچھی
خانقاہیں خوب خوب مسجدیں پاکیزہ پاکیزہ بنائیں پھر فتحپور اسکا نام رکھکر دارالسلطنۃ
مقرر کیا متصل اسکے ایک بڑا تالاب ہے دو کوس کے پھیر میں کنارے پر اسکے ایک بڑا ایوان
و ایک مینار* عالیشان علاوہ اسکے ایک مکان ہاتھی لڑانے کا بہت بڑا اور چوگان گاہ
نہایت پرفضا قریب اسکے سنگ سرخ کی کھان چنانچہ ستون اور چٹانیں سوا انکے
عمارات کے لوازم جسقدر اور جتنے اندازے کے درکار ہوں وہاں سے نکل سکتے ہیں

گوالیار ناحی ایک قلعہ ہے آب و ہوا اسکی نہایت خوب استواری مضبوطی بھی
نہایت مشہور تا اسلوب سلطنت جو زندانی قابل حفظ کے ہوتے تھے انکا ٹھکانا وہیں تھا
باشندے وہاں کے بمرتبۂ زبان آور گوئیے نہایت باثر اور محبوب دلربائی میں
میں خوب چالاک اور قیامت بیباک ہوتے ہیں مزار شیخ محمد غوث کا بھی وہیں ہے کہتے ہیں
کہ شیخ مذکور اپنے عہد کے صاحب کمالوں میں ممتاز تھا اور تسخیر مریخ اسکے عمل میں تھی

کالپی ایک شہر ہے جمنا کے کنارے بہت سے صاحب کمال درویش اُس
سرزمین میں بھی آسودہ ہیں ساتھ اسکے مشہور ہے کہ بھیم کے تودے کے غار میں
وہاں فیروزے اور تانبے کی کھان ہے لیکن مداخل و مخارج اسکے برابر ہیں پر گرمی
اپنے موسم میں وہاں حد سے زیادہ پڑتی ہے یہاں تک کہ اسکے اطراف میں
بیشتر باد سموم چلتی ہے اکثر راہرو اسکی حدت سے تونس کر اذیت پاتے ہیں
بلکہ بعضے تو مرہی جاتے ہیں اسی ڈر سے وہاں کے باشندے اس رت میں بیشتر

* صحیح لفظ منار اور منارہ بفتح میم ہے اور مینار بکسر میم و اضافہ یائے تحتانی محض غلط ۱۲

گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں پھرتے چلتے نہیں مگر بضرورت گرمی کا وقت ٹال کر مفری بھی وہاں کی بلاد ہند میں مشہور ہے

متھرا قدیم بستی ہے اسی دریا کے کنارے پر کنہیا کی پیدائش وہیں ہوئی ہے اور ہندوی کتابوں میں بزرگی و برتری اس طبقہ کی بہت لکھی ہے فی الواقع ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے آغاز آفرینش سے اسکو پرستشگاہ جانتے ہیں ٹھاکر وہاں کا عالمگیر کے وقت میں کیشو راے تھا چنانچہ بادشاہ نے اسکے مندر کو توڑ کر وہیں ایک مسجد بنائی ہے اور عبد النبی خاں فوجدار نے وسط شہر میں ایک مسجد عالی بنا کر دنیا میں نام کیا اور عاقبت میں ثواب لیا سواے اسکے بسرانت میں دریا کے کنارے سے اندر تلک کئی سو سیڑھیاں سنگیں و پختہ بنائیں چنانچہ جیٹھ بیساکھ میں بھی کچھ اوپر سو پانی میں ڈوبی رہتی ہیں بسبب اسکے زینت گھاٹ کی بڑھ گئی اور نہانے والوں کو راحت حد سے زیادہ ہوئی حاصل یہ ہے کہ ہندوؤں کو بھی راضی کیا اور شہر مذکور میں نیکنام ہوا

قنوج قدیم شہر ہے گنگا کے کنارے نپٹ خوش آب و ہوا میوہ بھی وہاں کا اکثر خوب بامزہ ہوتا ہے بلھور کہ ایک پرگنہ سرکار مذکور کا ہے اسکے تعلقے کا ایک قصبہ مکن پور درگاہ سید بدیع الدین عرف شاہ مدار کی وہیں ہے اکثر لوگ اسکو مانتے ہیں خصوصاً عوام بیشتر از ذال اور فقیر بھی اس گھرانے کے ایسے ہی کچھ اکثر جاہل سلسلہ انکا آزادوں کے نزدیک درست نہیں اور بانا اس بزرگ کا انھیں سفیہوں نے سیاہ مقرر کیا چنانچہ سنہری علموں میں سیاہ ٹکے باندھ کر دوم دوم کرتے ہوئے گلی گلی لیے پھرتے ہیں خصوصاً جمادی الاول میں تو نہایت شورش مچاتے ہیں سواے اسکے ہر سال دور دور کے لوگ

زن و مرد کثرت سے لیکن بیشتر پاجی رذالے مدار بے فقیروں سمیت ہاتھوں میں اُنکے
وہی علم اور باجے بجاتے ہوئے بڑی دھوم سے قصبۂ مذکور کو چلتے ہیں اُسی مجمع کا نام چھڑی ہے
اور میدنی بھی اُسی کو کہتے ہیں دُھر جائیے یا نجائیے قصّہ کوتاہ مادہ مسطور میں اُس
بزرگ کے مزار پاس کئی دن جمع رہتے ہیں قسم قسم کی نذریں نیازیں چڑھاتے ہیں جب ستر ہویں
تاریخ قل ہو چکتا ہے تب اپنے اپنے وطن کو روانہ ہوتے ہیں اور اِس امر کو حج و
عمرے* سے بہتر سمجھتے ہیں ہر چند کہ یہ چلن ایک مدّت سے چلا آتا ہے پر بانی اسکا
سواے بکھیڑیے اور بھنگیلے کے کوئی نہیں ٹھہرتا ساتھ اسکے جاہل و پاجی بھی وہ مقرر گو
آثار اس ذنگل کے اسپر دال ہیں قصّہ مختصر اس صوبے میں بھی دریا دو ہی نمود کے
ہیں ایک تو جمنا جسکا احوال سابق لکھنے میں آیا دوسرا چنبل کہ اکبر آباد سے آٹھ کوس کے
فرق سے بہتا ہوا بعد اور دسمکار ایرج کے محال سے گذرتا ہوا اکبر پور کہ متعلق کالپی کا
ہے وہاں ہو کر جمنا سے جا ملا لیکن دریاے مذکور کی بر آمد کا مقام مالوے کے تعلقات سے ہے
یعنی خاص ہوتہ غرض گھاٹم پور اس صوبے کے پورب طرف گنگا اُترخ چندیری دکھن طرف پلول پچھم رخ
طول صوبۂ مذکور گھاٹم پور الہ آباد کے متعلق سے لیکر تا پلول کہ شاہجہاں آباد کے ضلعے سے ہے ایک سو ترہ کوس
اور عرض قنوج سے تا بچندیری کہ مالوے کے مضافات سے ہے سو کوس الغرض سرکار اکبر آباد و باڑی و الور و تجارہ و ایرج
و کالپی و سالواں و قنوج و کول و بروده و منڈلا ور و گوالیار و غیرہ چودہ سرکاریں متعلق اُسکے ہیں دو سو
اٹھ سٹھ محال آمدنی آٹھ کرور اٹھارہ لاکھ پینسٹھ ہزار آٹھ سو دام لیکن برسوں سے

---

* عمرہ بالضم حج کرنے والوں کی ایک عبادت ہے اور اسکا مختصر بیان یہ ہے کہ حاجی لوگ مکّے سے
احرام باندھ کر موضع تنعیم میں جو مکّے سے تھوڑے فاصلے پر ہے جاتے ہیں اور وہاں کچھ نفل پڑھ کر
مکّے میں آتے ہیں اور خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں ۱۲

سرکار قنوج صوبہ اودھ میں داخل ہے۔

ڈیگ کنبھیر۔ بھرت پور بھی گویا صوبہ اکبرآباد کے متعلقات سے ہے اٹھارہ اٹھارہ یا انیس انیس کوس کا فاصلہ اُنسے اور شہر مذکور سے ہے قلعے اُنکے نہایت مستحکم و محفوظ و کلاں ساتھ اِسکے اسباب جنگی اور ذخیرے ہر ایک میں اِس بہتایت کے ساتھ کہ سالہا سال قلعے والے محتاج اِن امور کے نہوں خصوصاً بھرت پور میں کہ بالفعل وہی رنجیت سنگھ کا مسکن ہے قلعہ مذکور سب سے زیادہ مضبوط و محکم چنانچہ اُسکے گرد کی کھائی ایک چھوٹی سی ندی ہے کہ ناؤ اُسمیں چلے سواے اسکے اور اسباب اور آثار حفاظت کے بہت سے ہیں پر وسعت میں ڈیگ کا قلعہ اُس سے زیادہ ہے لیکن مستحکم و محفوظ ایسا نہیں چنانچہ ذوالفقار الدولہ نجف خاں میر بخشی نے بھی نول سنگھ کی لڑائی مار کر اُسکو چھین لیا تھا لیکن بھرت پور کا اِرادہ نہ کیا بلکہ ٹال دیا بنا اُنکی راجا بدن سنگھ سورج مل جاٹ کے باپ سے شروع ہوئی اور اس امر کی ترغیب راجا جے سنگھ جیپور والے نے اُسکو دی بلکہ موجب اُسکی ترقی کا بھی کچھوا ہوں ہی کا خاندان پڑا چنانچہ ایسری سنگھ نے محمد شاہ فردوس آرامگاہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپیے پر میوات کا بھی اجارہ اُسکو کروا دیا سواے اِسکے ملکی مالی ہر امر میں اسکا مددگار تھا وجہ اُسکی یہ ہے کہ جے نگر کے راجاؤں نے جاٹوں کو اپنا سدراہ ٹھہرایا تھا تالیف قلوب کے لیے آپ بھی اُنسے بسلوک پیش آتے تھے اور حضور اعلے سے بھی رعائتیں کرواتے تھے پھر تو دولت اُنکی دن بدن بڑھنے لگی اور ریاست رونق پکڑنے بدن سنگھ نے اپنے جیتے جی سورج مل کو مختار کیا اور آپ الگ ہو بیٹھا اِسنے اُس سے زیادہ گڑھیوں کی طیاری کی اور شہروں کی آبادی کو ترقی بخشی سپاہ کے احوال پر بہت متوجہ ہوا ہر ایک رسالدار سردار سے بیشتر

سلوک کیا بنابراسکے اکثر کارہاے عمدہ اُسکے ہاتھ سے نکلے بلکہ بعضے* بت باہر سے
کام اُسنے کیے چنانچہ نواب ذوالفقار جنگ سید صلابت خاں میر بخشی پر غالب ہوا اور
نواب حکیم خاں ساہبادر اُس معرکے میں مارا گیا غرض اُنکی ریاست کو جو ایک مدت رہنگی
بسبب اسکے سواے راجا رتن سنگھ کے جو ہوا سو متہّر اور شجاع پر راجا ندکور کچھ بودا
نہ تھا مگر عیاش و غافل اسی سبب سے روپا نند کیمیاگر کے ہاتھ سے کٹ تہ ہوا
قصہ مختصر شورشیں اور شرارتیں تو یہ اورنگ زیب کے وقت سے کرتے تھے چنانچہ
زور آور سنگھ اکبرآباد اور شاہجہاں آباد کے قافلے اکثر لوٹ لیجاتا تھا اور مسافروں بیچاروں کو
اقسام کی ایذائیں پہونچاتا تھا ساسنی کی نواح میں ایک گڑھی بھی اُسنے اپنے حفظ
کے لیے نہایت مستحکم بنائی تھی اسکے آسرلے سے فوج بادشاہی سے بھی کتنے دنوں لڑا چنانچہ
اکبرآباد کے ناظم نے ہرچند اُسکے لینے کا قصد کیا پر کچھ نہو سکا ناچار دست بردار ہوا آخر
شاہزادہ بیدار بخت نے آکر تین مہینے تک اُسکا محاصرہ کیا جب ذخیرہ نبڑ چکا تب
زور آور سنگھ شہزادہ کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوا بلکہ ہمراہ اُسکے دکھن گیا
اور اورنگ زیب بسکہ اُسکے ہاتھ سے تنگ تھا توپ کے منھ دھر کے اُڑا دیا پھر جاٹوں
نے اپنا رئیس راجا رام کو مقرر کیا قصہ کوتاہ بنیاد اُنکی عالمگیر کے وقت سے بندھی
پھر جوں جوں سلطنت ضعیف ہوتی گئی یہ قوت پکڑتے گئے چنانچہ ابتک کہ شاہ عالم کا
اٹھتالیسواں سن جلوسی ہے راجا رنجیت سنگھ سورج مل کا بیٹا اُسی قوت و تسلّط کے ساتھ
اپنے ملکوں پر محیط ہے

* بت बित سنسکرت میں طاقت اور قدرت کو کہتے ہیں اور کل لفظ مرکب کے لفظی معنی
یہ ہیں قدرت سے باہر۱۲

صوبۂ خوش سواد الہ آباد

ہندوی نام اُسکا پراگ ہے اکثر ہندو تربینی بھی کہتے ہیں جلال الدین محمد اکبر نے گنگا جمنا
کے بیچ قلعہ سنگین و محکم مکانات بھی اُسمیں متعدد و دلچسپ و مستحکم بناکر ایک شہر بھی خوش سواد
وہاں بسایا نام اُسکا الہ آباش رکھا پھر شاہجہاں نے مسمّی بہ الہ آباد کیا اِن دونوں دریاؤں نے
قلعے کی جانب شرقی کے متصل اتصال پایا ہے اور ایک سوتا بھی قلعے سے نکل کر انمیں آملا
ہے بنابر اِسکے نام اِس مکان کا تربینی ٹھہرا اور اِس سوتے کو ہندو سرستی کہتے ہیں
لیکن کتب ہندی میں یہ نہیں لکھا کہ سرستی یہاں سے نکلی ہے سوائے اِسکے قلعے میں ایک
درخت ہے اُسکو اکھی بڑ کہتے ہیں معنی اِسکے پائدار اور ہندی کتابوں سے یہ بھی دریافت
ہوتا ہے کہ قیام درخت مذکور کا قیامت تلک ہے چنانچہ نور الدین محمد جہانگیر نے اُسکو
کٹوا کر ایک توا لوہے کا بہت بھاری اُس مقام پر رکھوا دیا تھا چند روز کے بعد وہ درخت
پھر پھیکا اور اُس توے کو توڑ کر باہر نکلا حاصل یہ ہے کہ ہندو اُسکو بڑا تیرتھ بلکہ پرستشگاہ کل
پادشاہ جانتے ہیں جبکہ سورج مکر کا ہوتا ہے یعنی جدی میں آتا ہے گروہ گروہ زن و
مرد نزدیک و دور سے آکر وہاں جمع ہوتے ہیں ایک مہینے تلک روز نہاتے ہیں اور اپنی
مقدور کے موافق دان پن کرتے ہیں سوائے اِسکے سرکار والا میں بھی ہر شخص کچھ روپیہ
داخل کرتا ہے علاوہ اِسکے ہنود از بسکہ وہاں کے مرنے کو بہتر سمجھتے ہیں اِسی سبب
زمانۂ سابق میں بعضے تو نجات آخرت کے لیے کتنے اِس اُمید پر کہ کسی راجا راؤ کے یہاں
جنم لیویں جیتے جی اپنے تئیں آرے سے چروا تے تھے شاہجہاں صاحبقران ثانی
کے وقت سے یہ عمل موقوف ہوا لیکن قلعہ شاہ عالم پادشاہ کے چوالیس سن جلوسی میں
صاحباں انگریز نے توڑ کر اِس اسلوب کے ساتھ بنایا کہ اُسکا نقشہ ہی اَور ہو گیا سچ تو یہ ہے

کہ آگے قابل ترم تھا اب لائق ترم ہوا لیکن یہ معمورہ آگے نہایت آباد تھا چنانچہ آٹھ
بارہ سرائیں اور بارہ دائرے تھے اب تلک بھی کئی موجود ہیں لیکن وہ عالم کہاں
شرف المکان بالمکین اور دائرہ وہاں کے باشندے خانۂ فقرا کو کہتے ہیں یہ اکثر
محلے میں مکانات متعدد ہوتے ہیں بلکہ بیشتر مسجد و خانقاہ بھی ہوتی ہیں دیکھی سے
چنانچہ شاہ خوب اللہ کا دائرہ نہایت وسیع و کلاں اور مشہور جہاں تھا اب ہے پس
معلوم ہوا کہ علما و مشائخ بھی یہاں مدت سے رہتے ہیں لیکن خاصۃ الہند کے مولف
نے جو احوال انکا قلم انداز کیا اور مطلق نہ لکھا اغلب کہ اسکو خبر نہیں کہ یہاں بھی اہل وجود
ہیں کیونکہ اکثر صوبوں کے فقرا و مشائخ کا احوال اسنے ثبت کیا ہے پھر صوبۂ مذکور کے
فقرائے مشاہیر کے حالات کی تحریر سے کیونکر ہاتھ اٹھاتا چنانچہ حاوی فضائل صوری و معنوی
شیخ محمد افضل الہ آبادی عباسی نقشبندی کی وفات گیارہ سے چوبیس ہجری میں ہوئی
اور تالیف اس کتاب کی اس گیارہ سے سات میں قصہ مختصر شاہ صاحب مرحوم
شیخ مغفور کا حقیقی بھتیجا اور داماد تھا بعد آپکے سجادہ نشین بھی ہوا نہال استعداد ہو کے
بارہ ہی برس کی عمر میں عم بزرگوار کے آب تربیت سے سرسبز ہو چکا تھا اور بحث حال
کافیہ سے اس صاحب حال نے رنگ کچھ اور کیا تھا غرض انتہائے تحصیل تلک
شیخ کی خدمت میں رہا اور اسکی صحبت سے فائدہ اٹھایا آخر نعمت کثیر اسکے ہاتھ آئی
اور شان عظیم بہم پہونچائی یہاں تلک کہ لآلی پند و نصائح طالبوں کو ہمیشہ عنایت
کرنے لگا اور جواہر کلام سے دامن خواہشمندوں کے مدام بھرنے لگا اکثر علوم میں کتابیں
اسنے تصنیف کیں اور بہت سے رسالے لکھے طلبہ بھی اسنے بہرہ مند ہوئے

* یعنی مکاں کی شان رہنے والے سے ہے ۱۲

خر سن گیارہ سے چوالیس ہجری میں اس سرائے فانی کو تجا* اور رستہ دار البقا کا لیا مدفن
بھی شہر مذکور کے بیچ چیچا کے پہلو میں ہوا بعد اُسکے اور بھی اشخاص اُس بزرگ کے اقربا و
فرزندوں میں صاحب کمال و علم ظاہری و باطنی سے مالا مال ہوئے چنانچہ خلاصہ محققین
شاہ غلام قطب الدین جامع معقولات و منقولات تھا بلکہ شاعر غرا و سخندان بے ہمتا دیوان فارسی
اُسکا نہایت مربوط و مضبوط ہے ساتھ اِسکے کتنی مثنویاں بھی علی نہایۃ القیاس خصوصاً نان
و حلوے کے جواب میں وہ مثنوی کہ مسمی بہ نان و قلیہ ہے مزہ اُسکا ذائقہ فہمید جسکا درست
ہے وے جانتے ہیں اور رتبہ بھی اُسکا وے ہی پہچانتے ہیں فی الواقع جیسے نان و
حلوے کے اشعار سراسر شیریں ہیں ویسی ہی اسکی ابیات سراپا مزہ نمکین قصہ مختصر
بزرگ جن دنوں شاہ عالم پادشاہ شہر مذکور میں رونق افزا تھا انھیں دنوں حج کو گیا آخر
مالک [illegible] کے اہل قبور سے سن گیارہ سے ستاسی ہجری میں واصل ہوا فقیر نے بھی
صغر سنی میں اُس بزرگ کو دیکھا ہے فی الواقع کہ جمیع صفات سے موصوف تھا بلکہ اِس
خاندان میں اکثر اشخاص صاحب اخلاق و علم و فضل میں برگزیدہ آفاق ہوئے چنانچہ
اب زبدۂ اہل اللہ کمل شاہ محمد اجمل سجادہ نشین ہے حق تعالیٰ اُسکو سلامت رکھے کہ
اہل کمال کا ہونا اِس عرصے میں نہایت غنیمت ہے اور طالبوں کے لیے ایک نعمت
ازغیبی ہے ممدوح صاحب دیوان فارسی و ہندی ہے اور وہ دونوں فصاحت کے مخزن
اور بلاغت کے معدن ہیں ہر چند کہ دیوان ریختہ چھوٹا ہے پر رتبہ میں کہیں بڑا ہو لیکن
اس سراپا اعتبار کی خدمت میں ایام طفلی سے نیاز دلی و رسوخ قلبی ہے اور وجہ معاش
اسکی وہی ہے جو اُسکے بزرگوں کی گزران کے واسطے سلاطین و حکام نے معین کی تھی

* یعنی چھوڑا مگر اب دہلی فصاحت لفظ تجا اور اُسکے مشتق معنوں کا استعمال نہیں کرتے ۱۲

بلکہ بہت دنوں سے کچھ کم ہوگئی مگر صاحبان عالیشان نے جتنی تھی اُسکو جاری رکھا

غنیمت ہے جو کچھ اب بھی یہ دن گزرے فراغت کے*		کروگے یاد اک دن تم ہی ایام عسرت کے

اور انھیں میں سے ایک دائرہ سید شاہ ظہور محمد کا ہے ہر چند کہ محوطہ اور مکانات اُسکے کچے ہیں ساتھ اِسکے چھوٹا بھی ہے لیکن وہ مرحوم اپنے کام کا پکا اور درویشی کے چلن میں بہت بڑا بلکہ یکتا تھا ریاضت میں کامل مدام شاغل نماز معکوس بھی اکثر پڑھا کرتا سوا اسکے اور بھی کڑی کڑی عبادتیں کیا کرتا حقا کہ اپنے معاصرین میں بے نظیر وہ صاحب تاثیر تھا چنانچہ فقیر نے بھی ایک نقل اُسکی کرامت کی اپنے والد سے سنی اور وہ یہ ہے کہ جناب نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر مرحوم کو محمد شاہ فردوس آرامگاہ نے صوبۂ مذکور عنایت کیا اور وہ عالی منش بعد نادر شاہی کے وہاں رونق افزا ہوا تھوڑے دن گزرے تھے کہ نواب مغفور کو مرض خناق کا عارض ہوا اور اُسنے طول کھینچا ساتھ اِسکے بلغم اسقدر متعفن وہیں سے نکلنے لگا کہ دماغ ہمنشینوں کا اُسکی باس سے سڑنے اور جلنے لگا بلکہ جس کپڑے یا رومال کو وہ لگ جاتا تھا بعد دھوب کے بھی تعفن اُس سے آتا تھا حکماے حاذق معالج شام و سحر تھے پر شورش حد سے اُدھر تھی کہ شاہ صاحب مرحوم کی کسی مصاحب نے حضور میں بہت تعریف و توصیف کی بلکہ ملاقات کی بھی تقریب نواب صاحب کو نہایت اشتیاق ہوا یہاں تک کہ بعد منت و آرزو اُس بزرگ کو طلب کیا آتے ہی اُس عارف باللہ نے زبان مبارک سے فرمایا دعاے فقیراں رحم اللہ قدم درویشاں رد بلا وہیں بیماری ضعیف ہوئی اور نواب کو اُسی وقت سے تخفیف ہوئی آخر چند روز میں اُس بزرگ کی دعا سے شفا

* صحیح لفظ فراغ ہے اسپر تے بڑھا کر فراغت بولنے لگے ۱۲

شفاے کلی بخشی اور طبیعت حالتِ اصلی پر آگئی

یہ غلط ہے کہ فقط ہیگی دوا میں تاثیر		اُس سے بہتر ہے دعاے فقرا میں تاثیر

پھر تو عمدۃ الملک کو شاہ صاحب کی خدمت میں اعتقاد زیادہ ہوا اور اُنکی وجہ معیشت
کچھ اپنی طرف سے بھی بڑھا دیا چنانچہ آج تلک بھی اُنکی آل و اولاد کو قدرے قلیل ملتا ہے
اور انکا خرچ+ روزمرہ اُسی کے باعث چلتا ہے سلسلہ اُس بزرگ کا چشتیہ تھا آباے کرام
بھی اُسکے اہلِ کمال تھے اور صاحبِ حال وقال خصوصاً سید شاہ فتح محمد علوم ظاہری و
باطنی میں فی الواقع یگانہ تھا اور منجملہ مشاہیر زمانہ اکثر اشخاص اُسکی کرامت کے قائل
اور خرق عادات کے ناقل ہیں چنانچہ راقم نے بھی ایک دو نقل ایسی ہی اُس بزرگ کی
شاہ ظہور محمد کے خلف الرشید میاں شاہ غلام رسول کی زبانی سنی ہے اغلب ہے کہ وہ
صحیح ہو کیونکہ وہ بزرگ بھی باخدا و صاحبِ صدق وصفا تھا اِن دنوں معلوم نہیں کہ قید حیات
میں ہے یا اوس سے آزاد اسواسطے کہ برسوں سے اُسکے احوال کی اطلاع نہیں
بلکہ یہ بھی دریافت نہیں کہ اِس خانداں میں سجادہ نشین اب کون ہے کیونکہ ایک شخص کا
وجود وقیام دوام نہیں ہمیشہ سے تبدّل اشخاص کا چلا آتا ہے اور ایک کے
بعد جاگہ اُسکی دوسرا آتا ہے

جز اُسکی ذات اور کسی کو نہیں ثبات		ہے قابلِ ممات یہ جتنی ہے کائنات

لیکن اِن دونوں خانداں سے بلکہ اکثر مشائخ سے قدامت بود و باش کی شہر مذکور
میں شاہ منوّر صاحب کی ثابت ہے کیونکہ بعضے ثقات سے سنا ہے کہ وہ برگزیدہ
حق نہایت معمّر تھا چنانچہ اسوقت کے بڈھے کہتے تھے کہ ہمارا تولّد اُس بزرگ کے

+ اصل میں صحیح لفظ خرج بجیم عربی ہے ۱۲

روبرو ہوا ہے اور جنے ایسا ہی اسکو دیکھا ہے وہ بھی اپنی زبان سے فرماتا تھا کہ اکثر اہل
کہنہ سال میرے سامنے کے لڑکے ہیں میری تین سو برس کی عمر ہوئی ہے اور میرا
سن تمیز تھا کہ اس قلعہ کی نیو پڑی اکثر اشخاص اسکو صادق جانتے تھے اور اس بات کو
دل سے مانتے تھے ہر چند کہ عقل سے باہر ہے لیکن خدا قادر ہے شاید ایسا
ایک شخص نادر الوجود امت پیغمبر آخر الزماں میں بھی موجود ہوا ہو اور یہ سو سال اسکو
دیا ہو غرض عمدۃ الملک جن دنوں صوبہ مذکور میں تھا ان دنوں تلک وہ نیک ذات
خرقہ حیات پہنے تھے چنانچہ راقم کے والد نے بھی اُسے دیکھا ہے بلکہ بارہا اُسکی خدمت
میں مشرف ہوا سواے اسکے اُس حق پرست کی کرامت کا قائل اور اُسکے حرز و دعا
کی تاثیر کا اکثر ناقل تھا حاصل یہ ہے کہ وہ طالب مولیٰ کیفیت سے خالی نہ تھا اور اُسکا
خرقہ فقر ہرگز خالی نہ تھا آخر شہر مذکور ہی میں اُسنے رحلت کی اور اُسکی قبر وہیں ہے

نت جگ میں کوئی کب رہا آخر فنا آخر فنا		اس زندگی سے فائدہ آخر فنا آخر فنا

لیکن اُس بزرگ کا مذہب و نسب و سلسلہ بیعت نہ کسی سے سُنا اور نہ پوچھا
والّا نہ لکھنے میں آتا

اور تیس کوس صوبہ مذکور سے پرے بنارس ہے ہندی کتابوں میں نام اُسکا بارانسی
بھی لکھا ہے اسلیے کہ یہ بستی درمیان دریاے برنا اور اسی کے واقع ہے کاشی بھی
اسکو کہتے ہیں اور مہادیو سے منسوب کرتے ہیں غرض شہر مذکور نہایت قدیم ہے
عمارت اُسکی سنگین و پختہ و بلند اکثر لب دریا لیکن حویلیوں میں انگنائی ندارد سواے اُسکے

* الّا دراصل میں اِن لا ہے ادغام کے قاعدے سے الّا ہو گیا اور اسکے معنی یہ اگر نہ کے ہیں اِس
صورت میں نقطہ ہو الّا کے آخر میں لکھا ہے محض زائد ہے ۱۲

اندر باہر بستی کے ہزاروں بتخانے انگنت شوالے سیکڑوں کنڈ اور ٹھاکر یہاں کا
بشیشر ناتھ چنانچہ اُسکا بڑا مندر تھا عالمگیر نے تڑوا کر وہاں ایک مسجد بڑی عالیشان
بنائی شہر کے لوگ اُسکو بشیشر کی مسجد کہتے ہیں سوائے اِسکے اور بھی کئی نامی بتخانے
توڑے اور مسجدیں اُنکی جاگہ بنالیں قصہ کوتاہ شہر مذکور اب بھی آباد ہے لیکن کوچے
اُسکے نہایت تنگ و تاریک و بدبو بلکہ بعض گلیوں میں تو دھوپ کا بھی گذر نہیں ہوتا
اسی باعث زمیں وہاں کی بیشتر سیلی رہتی ہے پر دریا کنارے کی عمارتیں سب کی سب
دلچسپ قابل سیر اور باغات بھی شہر کے پچھم طرف نپٹ سہاؤنے لگو نہیں کہ انسان کا
وہاں جی کبھو اداس نہو ہرچند اُسکے کوئی پاس نہو حسن بھی وہاں کا نہایت چٹک
کے ساتھ اگر فرشتہ بھی دیکھے تو دیوانہ ہو جاوے پریزاد تو کس شمار و قطار میں چنانچہ ایک دن
کا ذکر ہے کہ راقم ساون میں ایک باغ بے در و دیوار کے بیچ سیر اہ ایک بلندی پہ بیٹھا
تھا اور میر چراغ علی مرحوم حیف تخلص بھی میرے ساتھ تھے وہ اُسوقت دوپہر سے کچھ بعد
کا جھنڈ کا جھنڈ پریوں کا اس باغ کے دہرے میں پرستش کرنے کو ادھر نکلا انہیں
ایک کھترانی چنپئی رنگ نہایت چالاکی و بیباکی سے پیشقدمی کرتی تھی اور ایک انداز
ناز سے پاؤں دھرتی تھی سراپا اُسکا گویا سانچے میں ڈھلا تھا ہر ایک عضو
حسن و ادا سے بھرا تھا۔

ہلال ابرو منہ چاند جثہ سڈول		خوش اسلوب چھب ٹھب لباں گول گول

نگہ وصف کی نکہت سے آگے کُندن زرد بلکہ چراغ بھی گرد سونا تو کیا مال ہے
جو آگے روپ کے منہ چڑھ سکے وہ جسکو جھمکا دکھاتی ہوئی جائیں کہ دھر گئی چشم

* دہلی والے چلبلا رنگ بولتے ہیں ۱۲

نہ پھری تا شام راہ دیکھی آخر ہر ایک نے گھر کی راہ لی غرض معمورۂ مذکور کیفیت سے خالی نہیں دید کے قابل ہے ساتھ اسکے علم ہندی کا بھی گھر ہے کیونکہ بڑے بڑے پنڈت اچھے اچھے برہمن بید کے پڑھانے والے شاستر کے بھیدوں کے جاننے والے اور جوتشی نجومی گنی ہر فن کے بکثرت اُس شہر میں رہتے ہیں اسی واسطے برہمن برہمن زادے دور دور سے تحصیل کو آتے ہیں مدتوں پڑھتے پڑھاتے ہیں چنانچہ اب تک بھی مدرسہ ہندی کا موجود ہے صاحبانِ عالیشان نے بھی اخراجات اسکے بدستور جاری رکھے ہیں اور اکثر آزاد منش عبادتی جیسی اس لحاظ پر کہ مرنا وہاں کا باعث نجات کا ہے اپنا وطن چھوڑ دنیا سے ہاتھ اُٹھا رام سے لو لگا وہیں رہنا اختیار کرتے ہیں بہتیرے بوڑھے کہنہ سال کتنے آزاری جینے سے مایوس ہو کر وہاں آتے ہیں اور دنیا سے اُٹھ جاتے ہیں ازبسکہ لوگوں کی آمد جا بجا ہر ایک سمت سے رہتی ہے اسی سبب اسکی آبادی کم نہیں ہوتی کپڑا بھی وہاں ریشمی زربافی خوب بُنا جاتا ہے خصوصاً تاش بادلہ نہایت جگمگا اور مشروع و کمخاب* تو واقعی بعد گجرات کے بنارس کے برابر ہندمیں کہیں نہیں بنتا اگرچہ مشروع مئو میں اب تیار ہونے لگا ہے لیکن یہ تمانش و ملائمت کہاں پاچی اور بجیب کا سا فرق ہے پچھم طرف شہر کے اورنگ آباد کی سرا سے پختہ اور نہایت کشادہ واہنے اُسکے پچاس ہاتھ کا تالاب اُس سے کچھ آگے بڑھکر بستی سے باہر قدم شریف اکثر وضیع و شریف پنجشنبے کے دن وہاں جاتے ہیں شام تلک صحبت اور لوگوں کی کثرت رہتی ہے ہرچند کہ نشستگاہیں اور خانقاہیں کم ہیں لیکن لطف سے خالی نہیں علاوہ اسکے اُس قطعہ میں اکثر مسلمانوں کی قبریں ہیں چنانچہ مزار شیخ محمد علی حزیں گیلانی کا بھی وہیں ہے اُس مرحوم نے اپنے حین حیات میں

* خاب فارسی میں رُوئیں کو کہتے ہیں جو کہ کمخاب میں رُواں بہت کم ہوتا ہے اسواسطے اسکا یہ نام رکھا گیا ۱۲

اُسے بنوایا تھا بلکہ کبھو کبھو پنجشنبے کو وہاں جاکر بیٹھتا اور کچھ خیرات بھی کرتا۔

جو بقا اپنی فنا سمجھے وہ دُکھ بھرتے نہیں		مرتے جو زندگی میں وہ کبھی مرتے نہیں

فی الواقع شیخ ممدوح علوم ظاہری و باطنی سے مالامال تھا شعر و سخن تو اُسکا ایک ادنیٰ کمال تھا اُستاد متاخرین و افتخار متقدمین اُسے کیونکر نہ کہیے کہ نظم و نثر اُسکی ظہوری نظیری کے برابر اور قصیدے قصائد عرفی سے بالاتر ہندوستان کے بیچ محمد شاہ کے وقت میں آیا کئی برس دلّی میں رہا پھر بنارس میں آکر گوشہ نشین ہوا کسی امیر فقیر کے گھر نہ گیا اور کسی سے کچھ نہ لیا بلکہ محتاجوں کو موافق مقدور آپ ہی دیا کیا گذران اُسکی ہمیشہ اُجلی رہی احتیاج کسی امر کی بجز خالق کے نہوئی کہتے ہیں کہ تسخیر آفتاب اُسکے عمل میں تھی یا کوئی اور دعوت غرض کشف و کرامت سے وہ روشن ضمیر خالی نہ تھا مشہور ہے کہ نواب شجاع الدولہ بہادر کو لڑائی کا مشورہ مطلق نہ دیا بلکہ منع کیا کہ بگاڑ صاحبان انگریز سے حد بُرا ہے اور مصالحت* سراپا بھلا زنہار اُسے فرزند سوائے صلح کے کچھ نہ کرنا اور لڑائی پہ دھیان ہرگز نہ دھرنا کیونکہ صلح میں حصول مراد ہے اور جنگ میں فساد غرض بعد ہنگامہ بکسر وہ عارف بے ریا سن گیارہ سے اسّی ہجری میں بہشت نصیب ہوا

چنار گڑھ ایک قلعہ ہے پہاڑ پر سنگین و بلند و محفوظ لیکن نشیب و فراز اسمیں بہت ہے گنگا اُسکے نیچے بہتی ہے قریب اُسکے ایک قوم عالمگیر کے وقت تلک سر و پا برہنہ جنگل میں رہتی تھی اور تیراندازی و شمشیرزنی میں اپنی اوقات بسر کرتی تھی یعنی کتنے صحرا نشین یا پہاڑیے اُسوقت میں رہزنی کرتے تھے لیکن بالفعل بلکہ سالہاسال سے اُسکے متصل ایک معمورہ ہے کہ اکثر ہندو و مسلمان اسمیں بستے ہیں اغنیا و اسباب بھی ضروری موافق اُنکے بہم پہنچتے ہیں

* اسکی جگہ یہ عبارت لکھنی مناسب تھی اور مصالحت سراپا بھلی ۱۲

اور قلعۂ مذکور ہر چند آگے بھی بارونق تھا پر جب سے صاحبان عالیشان کے قبضے
میں آیا ہے خوب تیار سجا سجایا رہتا ہے قریب اُسکے قاسم سلیمانی کی درگاہ ہے نہایت
خوش عمارت پُر کیفیت مکانات اُسمیں سنگین و پختہ و متعدد اپنی وضع کے اُسلوب دار با قرینہ
خصوصًا وسط میں ایک مسجد بہت بڑی پاکیزہ و استوار جیسے انگوٹھی میں نگینہ جنگلا بھی
اُسکے اطراف کا نہایت سہانا و ہر مرض خفقاں کی دوا

ہے شاداب و سرسبز واں کی زمیں		وہ جنگل ہے گلشن سے بہتر کہیں

اور چنار سے دکھن طرف آٹھ کوس کے فاصلے سے گنگا کے کنارے پر مرزا پور ہے
ہر چند کہ بستی اسکی چھوٹی ہے لیکن خوب آباد و خوش سواد عمارتیں پکی بیشتر لیکن اکثر
بیپاریوں کے گھر سفید پونڈا وہاں کا مشہور ہے اگرچہ ہگلی کا بھی گنا نپٹ نرم اور میٹھا
ہوتا ہے لیکن وہ ساتھ ان خوبیوں کے کلافی اور گندگی بھی رکھتا ہے

گڑھ کالنجر سنگین قلعہ ہے نپٹ بے لگاؤ ایک بڑے اونچے پہاڑ پر اُسکی ابتدا سے
کوئی واقف نہیں چشمے اکثر اُسمیں جوش کھاتے ہیں اور تالاب بڑے بڑے آب زلال سے
بھرے ہوئے ایک لطف دکھاتے ہیں بھیروں کا تبخانہ وہیں ہے اور قریب اُسکے گھنے
درختوں کا ایک جنگل ہے بیشتر اُسمیں آبنوس کے پیڑ لوگ وہاں سے ہاتھی بھی پکڑ لاتے ہیں اور
پاس اُسکے لوہے کی کھان بلکہ بعضی بعضی جاگہہ سے الماس کی ٹلپیں* بھی ہاتھ لگتی ہیں
اور باشندے وہاں کے سود مند ہوتے ہیں

جونپور بڑا شہر ہے گومتی ندی اُسکے اندر ہو کر نکلی ہے فیروز شاہ نے اُسکو اپنے عہد سلطنت
میں فخر الدین محمد جوناں کہ اُسکا چچا تھا اُسکے نام پر آباد کیا از بسکہ شہر مذکور شور پشتوں اور

* ٹلپ ہندی میں ٹکڑے اور ریزے کو کہتے ہیں ۱۲

ٹھمردوں میں واقع ہوا تھا فوجدار اُسکے بیشتر خوں ریزی وسفاکی میں مشغول رہتے تھے لیکن آب و ہوا اُسکی باشندوں مسافروں کے مزاج سے موافق فضا اُسکی فضاے گلزار سے فائق حویلیاں اُسمیں اکثر پختہ و سنگیں چھپر کے مکاں کہیں کہیں اگرچہ آبادی اُسکی اب ویسی نہیں لیکن غنیمت ہے کیونکہ باغ خزاں رسیدہ کا ایک آدھ چمن دیکھنے قابل ہوجاتا ہے اور اہل نظر کو ایک لطف دکھاتا ہے خصوصًا جامع مسجد وہاں کی اپنی ساخت میں لاثانی ہے فی الواقع پختہ کاروں کی ایک نشانی ہے عمارت اُسکی تمام وکمال سنگیں اینٹ گارے کا اُسمیں نام بھی نہیں

بناوے کوئی ایسی اب کیا مجال	مرمت بھی ہے اُسکی امر محال

تعمیر اُسکی سلطان شرق ابراہیم شرقی نے آٹھ سوباوں ہجری میں کی اور دارین میں نیکنامی لی تاریخ اُسکی بنا کی مسجد جوامع الشرق ہے پل بھی وہاں کا اقلیم ہند میں نے مانند ہے دیرپائی اور پختگی اُسکی اظہر من الشمس سیکڑوں برس گذرے ہیں لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ آج بنا اور ابھی تیار ہو چکا ہے بنا اُسکی منعم خاں خانخاناں نے اکبر پادشاہ کی سلطنت میں کی اور مہتمم اُسکا نواب مرحوم کا فہیم غلام تھا قطعہ اُسکی تاریخ کا یہ ہے

خانخاناں خاں منعم اقتدار	بستہ ایں پل را بتوفیق کریم
تام او منعم ازاں آمد کہ ہست	بر خلائق ہم رحیم و ہم کریم
رہ بتاریخش بری گرافگنی	لفظ بد را از صراط المستقیم

حق تو یہ ہے کہ یہ تاریخ اُسکی بجا ہوئی کہنے والے کی طبیعت خوب لگی خدا اُسکے تعمیر کنندے کو مستغرق دریاے مغفرت کرے اور پل صراط پر اُسکی دستگیری ومعاونت —

ہے دریا دلی کا یہ اُسکی نشاں	خدا اُسکو قائم رکھے جاوداں

سرائیں بھی کئی تھیں لیکن بالفعل ایک پختہ پل کے جنوب رخ اور دو کچی شمال رو لیکن کچھ ایک فاصلے سے پھلیل و عطر بھی وہاں کا نہایت خوشبو ہوتا ہے چنانچہ اکثر بلاد میں بطریق تحائف بھجواتے ہیں اور خوشبوئی ساز سوداگر بھی اطراف میں اسکو لیجاتے ہیں غرض سگندرا* کے اور بیلے کا تیل تو وہاں کا سا کہیں نہیں ہوتا گلاب خجالت سے اُسکے پانی پانی ہو جائے اور سہاگ کے عطر کی باس بھی اُسکے ہوتے خوش نہ آئے

بدل ہیں ملے اُسکو جو مرد و زن ۔۔۔ تو بن جائے ہر ایک دولھا دولھن

چنبیلی کا بھی علیٰ ہذا القیاس لیکن مشہور یوں ہے کہ چنبیلی باڑھ کی اور بیلا جونپور کا پر اپنے تئیں اسمیں شک ہے اور وہاں کے نجبا اکثر ذہین و صاحب علم و دانشمند ہوتے ہیں چنانچہ متقدمین میں مُلا محمود کیسا ایک صاحب کمال فاضل گذرا ہے کہ اپنے وقت میں یکتائے عصر تھا اس زمانے میں تو اُس سا ہونا معلوم شمس بازغہ اُس نے علم حکمت میں ایسا لکھا ہے کہ اسفار اربعہ اُسکی فصاحت و بلاغت کو نہیں پہونچتی اور شفا اُسکی عبارت کی خوبی کو منہ نہیں لگتی باوجود اسکے مسائل حکمیہ کا بھی جامع بالفعل کتب درسیہ سے ہے فضلا اسمیں جوں جوں خوض کرتے ہیں نکتے نئے پاتے ہیں اور طلبہ درس سے فائدے اُٹھاتے ہیں اور متاخرین بھی مولوی میر عسکری و مولوی ابوالفضل و مولوی ابوالخیر واقعی کہ ہر ایک ان بزرگواروں میں علم و فضل میں یگانہ و افتخار زمانہ تھا پر طریقہ سید مرحوم کا اثنا عشری** اور نسب اُس بزرگ کا حسینی اولاد زید شہید علیہ الرحمۃ کی کہتے ہیں کہ ظاہر اُس عالی نژاد کا زیب تھا اور باطن عارفانہ بہتیرے طلبہ اُسکی بدولت فاضل ہوئے اور اکثر فضلا اُسکے فیض صحبت سے کامل آخر سن گیارہ سے نوّے ہجری میں دار البقا کا راہی ہوا اور اپنے اجداد کرام کا قدمبوس

* سگندرا ایک پھول کا نام ہے ۱۲ ** عربی میں اثنا عشر کا اطلاق بارہ کے عدد پر آتا ہے اسی واسطے فرقہ شیعہ کو جو بارہ امام کی طرف منسوب ہیں اثنا عشری بولتے ہیں ۱۲

حاصل کیا مزار اُسکا شہر مذکور میں اتبلک برقرار ہے اور بعد مردن یادگار

قبر بھی ہے چند روزہ نت کہاں	ایک دن مٹ جائیگا یہ بھی نشاں

تاریخ اُسکی* وفات کی بَرَّدَ اللہ مضجعہٗ سے نکلتی ہے اور وے دونوں مغفور نسب میں شیخ فاروقی اور مذہب میں حنفی تھا کہ دونوں صاحب کمال اور دولتِ علم سے مالامال تھے خصوصًا علوم ادبیہ میں تو ہر ایک بے نظیر و عدیل اور اپنے وقت میں ممتاز مثل سیبویہ و خلیل اُنسے بھی سررشتہ تحصیل کا ایک مدت جاری رہا اور سیکڑوں اشخاص نے رتبہ فضیلت کا حاصل کیا آخر بحکم آیہ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ* ہر ایک نے لباس فنا پہنا اور دار البقا کا رستہ لیا لیکن مولوی ابوالخیر صاحب جس برس کہ نواب علی ابراہیم خاں مرحوم کو بنارس کی عدالت ہوئی تھی قید حیات میں تھے چنانچہ گورنر ہیسٹنگز بہادر نے چاہا کہ عدالت کے سررشتہ میں روزگار اختیار کریں لیکن اُنھوں نے نہ مانا اور دلپر یہی ٹھانا کہ دولت دنیا سے منھ موڑیے اور گنج قناعت کو ہرگز نہ چھوڑیے غرض جو ارادہ کیا تھا اُس سے نہ پھرے یہانتک کہ دُنیا سے اُٹھ گئے وفات اُنھوں نے سن گیارہ سَے اٹھانوے میں پائی اور نعمت عقبیٰ کی لذت بخوبی اُٹھائی حاصل یہ ہے کہ شہر مذکور بھی ایک دار العلم ہے اس گئے گذرے پن پر بھی سررشتہ علم کا کچھ نہ کچھ چلا جاتا ہے اب بھی ایک آدھ فاضل مستعد نظر آجاتا ہے چنانچہ مجمع فضائل خفی و جلی مولوی روشن علی آرایش دودمان شریعت و ضیاے محفل فضیلت بالفعل وہاں کے ساکنہ میں موجود ہے اکثر طلبہ اُسکی بدولت فیض پاتے ہیں اور درجہ فضیلت کو پہونچ جاتے ہیں نسب اُس بزرگ کا بھی فاروقی مذہب حنفی ہے اور مولوی ابوالخیر مرحوم سے نسبت خویشی فی الواقع کہ اکثر علوم میں مہارت کلی اور دستگاہ کما ینبغی رکھتا ہے خصوصًا

* خدا اُسکی خوابگاہ ٹھنڈی رکھے ۱۲ * جو زمیں پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں ۱۲

علم ادب و ریاضی میں نواب جونپور میں ایسا شخص دوسرا معلوم بلکہ اکثر بلاد میں ثانی اسکا معدوم ہے
غرض جب سے مدرسہ صاحبان کمپنی کا کلکتے میں بنا تب سے یہ بزرگ بھی عربی کے سر رشتہ
میں میر منشی گری کی خدمت پر سرفراز ہوا حق تعالی اسکو اور جتنے اہل کمال کہ اس وقت میں ہیں
اُنکو سلامت باکرامت رکھے اور قدردانوں کو باقبال و حشمت قصہ کوتاہ صوبۂ مذکور کی
آب و ہوا نہایت خوب ہے میوے بھی اقسام کے ہوتے ہیں خصوصًا انگور نہایت
رسیلا خوش مزہ میٹھا بڑا بکثرت بکتا ہے اور پھول بھی ہر فصل میں دیکھنے سونگھنے
کے بہتایت کے ساتھ خصوصًا موگرا بہت بڑا اور گندہ بہت خوشبو ہوتا ہے ایک پھول
اُسکا حکم عطرداں کا رکھتا ہے زراعت بھی بہتایت کے ساتھ ہوتی ہے لیکن موٹ کمیاب
جوار باجرہ کمتر اور کپڑے کے اقسام سے جھونا اور مُہر گل خوب بنا جاتا ہے اور دریاؤں میں
بڑے دریا اس صوبے میں گنگا جمنا سرجو طول اسکا منجھولی جونپور سے لیکر اتر کے پہاڑ تلک
ایک سو ساٹھ کوس اور عرض چونسا جو گنگا کا ایک گذر ہے اُس سے گھاٹم پور تلک ایک سو
تیس کوس صوبۂ بہار اسکے پورب طرف اکبر آباد پچھم رخ صوبۂ اودھ اتر طرف مادھو گڑھ دکھن
طرف الہ آباد غازی پور بنارس جونپور چنار کالنجر کڑا مانکپور وغیرہ سولہ سرکاریں
متعلقات انکے دو سو سینتالیس محال اور آمدنی سات کرور ساٹھ لاکھ اکسٹھ ہزار دام

صوبۂ اودھ

ہندی کتابوں میں نام اسکا اجدھیا راجا رامچند کا مولد و تختگاہ ہے اسی جہت سے
ہندو اسکو بڑا معبد جانتے ہیں کیونکہ راجا نذکور عالی نژاد و نیک نہاد تھا ساتھ اسکے دولت
ظاہری و باطنی سے مالا مال عجائب و غرائب افعال اُس سے وقوع میں آئے اور بہت سے
امور نادر اُسنے دکھائے چنانچہ شور دریا پر پل باندھا اور انگنت بندر ریچھ کی فوج لیکر

لنکا پر چڑھ گیا پھر راون کو مار کر اپنی جورو کو قید سے چھڑا لایا اسی قبیل سے اکثر حالات اُسکے
رامائن میں لکھے ہیں غرض شہر مذکور ایک سو اٹھتالیس کوس کے طول اور چھتیس کوس کے عرض
میں بستا تھا اور اُسکی سواد میں جو کوئی خاک چھانتا سونا پاتا ایک کوس پرے اُسکے گھاگھرا
مرجو سے ملکر قلعے کے تلے جا نکلی ہے اور قریب شہر کے دو بڑی بڑی قبریں ہیں طول اُنکا
سات سات آٹھ آٹھ گز سے کم نہیں عوام اُنکو حضرت شیث و ایوب سے منسوب کرتے
ہیں بنابر اسکے پنجشنبے کو اکثر لوگ وہاں جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک تپ پوریں
کبیر جلاہے کی قبر ہے کہ شخص مذکور سلطان لودی کے وقت میں تھا بنارس کے بیچ مدتوں جپ
تپ کرتا رہا فقرا کے نزدیک بڑا موحد و صاحب کمال تھا چنانچہ اُسکے طبع زاد اکثر دوہرے
اہل مذاق کے ورد زباں ہیں سچ ہے کہ محبت و معرفت اُنسے ٹپکی پڑتی ہے

فیض آباد عرف بنگلہ تین کوس اودھ سے مغرب رخ ایک آبادی نو احداث ہے نہایت پر فضا
و دلکشا۔ سرزمین وہاں کی بہت خوب مرطوب منھوری بھی ہاں کے قیامت سنگین جھبھی انگور بیدانہ
شہتوت اور سوائے اُنکے اور بھی بعضے میوے ترکاریاں پھول خوشبو رنگین افراط سے ہوتے
ہیں خصوصاً چنپا و لالہ پر خربوزہ حد بڑا اور پھیکا صورت حرام وجہ اسکی بنیاد کی یہ ہے کہ جب
صوبہ داری ملک مذکور کی انتقال پا کر محمد شاہ فردوس آرامگاہ کی سلطنت میں نواب
برہان الملک سعادت خاں بہادر کے نصیب ہوئی. بعد اُنکی وفات کے قائم مقام اُنکا
داماد نواب وزیر الممالک ابو المنصور خاں صفدر جنگ بہادر مغفور ہوا کیونکہ فرزند نرینہ اُنکے نہ تھا
اُسی بزرگ نے بنیاد اسکی ڈالی لیکن بطور چھاؤنی کے جب نواب شجاع الدولہ بہادر ابن صفدر جنگ
وزیر الممالک کو ریاست پہونچی بعد ہنگامہ بکسر کے مزاج اُسکا اسکی آبادی پر آیا۔ چنانچہ
کتنے محل اور باغ پاکیزہ و خوش عمارت اُسنے لب دریا بنائے اور ایک ترپولیا بھی نہایت

بلند و دلکشا متصل قلعہ اور چوک کے قریب بنایا بلکہ اپنی بود و باش بھی وہیں مقرر کی اسکے سبب سے اکثر سرداروں مصاحبوں نے عمارتیں تعمیر کیں یہاں تلک کہ ہر ایک چھوٹے بڑے نے موافق اپنے مقدور کے حویلی بنائی چنانچہ ایک معمورہ معقول ہوگیا پر کھپریلیں اکثر تھیں اور پختہ عمارتیں کم لیکن معمار قدرت کے ارادے میں جو اُسکی آبادی کو پایداری نہ تھی بلکہ خرابی منظور تھی کہ سن گیارہ سے اٹھاسی میں بعد نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شکست کے نواب موصوف کا واقعہ ہوا اور مقبرہ اسکا وہیں بنا پھر مسند حکومت پر اُسکا خلف الصدق نواب آصف الدولہ بہادر وزیر ابن وزیر بیٹھا اُسنے دار الحکومت لکھنؤ کو بدستور سابق مقرر کیا بلکہ عمارات و باغات بھی خوش قطع و دلچسپ وہاں بنائے آخر اُسکی آبادی بمرتبہ گھٹی اور اُسکی بستی نہایت بڑھی چنانچہ بالفعل کہ سن بارہ سے بیس ہجری ہیں اور نواب سعادت علی خاں بہادر وزیر ابن وزیر دام اقبالہ کی حکومت کا آٹھواں سال دونوں شہر اسی نہج پر ہیں

بہرائچ ایک قدیم شہر ہے سرجو کے کنارے نہایت وسعت و کیفیت کے ساتھ آباد ہے اُسکی گرد نواح میں اکثر اور پھلواریاں جابجا بیشتر تربت رجب سالار کی اور درگاہ سالار مسعود غازی کی وہیں ہے سنتے ہیں کہ رجب سالار تغلق شاہ کا بھائی تھا اور سالار مسعود غازی کے احوال میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں قوم کا سید لیکن سلطان محمود غزنوی سے بھی قرابت قریب رکھتا تھا اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ ایک پٹھان تھا لیکن شہید ہوا غرض درگاہ اُسکی ایک عالم کی زیارتگاہ ہے سال میں ایک بار دور دور سے لوگ میدنی کے ہمراہ چلتے ہیں کتنے سیاح اکثر بیپاری پر ہیچ قوم لال لال نیزوں سمیت ہزاروں ڈفالی گاتے بجاتے ساتھ لیکر اپنی بستیوں سے نکلتے ہیں غرض جیٹھ کا پہلا اتوار اُسکے عرس کا دن ہے لیکے اس سے دو تین دن پہلے وہاں آ پہونچتے ہیں اور اعتقاد اُنکا یہ ہے کہ وہی اُسکے

بیاہ کا روز تھا چنانچہ شہانے کپڑے اُسکے گلے میں تھے کہ مارا گیا اسی جہت سے ایک
تیلی رُدولی کا ساکن پلنگ پیڑھا کچھ اسباب عروسی سمیت اُسکے مزار پر بھیجتا ہے اپنے زعم
میں ہر برس اسکا بیاہ کرتا ہے برسوں سے یہ رسم اُسکے خاندان میں چلی آئی ہے بلکہ ابتک بھی
جاری ہے غرض رذالے کے اعتقاد سے بھی خدا پناہ میں رکھے کہ رسوائی سے خالی نہیں اور
گردو پیش اُسکے گنبد کے جتنے درخت ہیں انمیں سیاں ڈال کر کوئی اپنا ہاتھ باندھتا ہے
کوئی پانؤں کوئی گلا القصہ انواع و اقسام کے سانگ لاتے ہیں اور اپنے گماں میں اُسی سبب
مرادیں پاتے ہیں سوا اسکے کوئی رذالا اُس بزرگ کو گا جنا دولہا کہتا ہے اور کوئی رذالی
سالار چھنلا وجہ اسکی یہ ہے کہ جو رنڈی اُسکے گنبد میں جاتی ہے بدحال ہو کر آتی ہے پھر مردار
یہ سمجھتی ہے صاحب قبر نے مجھے چوس لیا اور یہ احوال کر دیا تف اسکی سمجھ پر اور لعنت
اُسکی بوجھ پر حقیقت اسکی یہ ہے کہ گنبد اُسکا نہایت چھوٹا اور دروازہ نپٹ تنگ تسپر لوگوں کی
آمد و شد متصل علاوہ اسکے ایک بہت بڑا چراغ قبر کے سرہانے جلتا ہے بسبب اسکے ایسی گرمی
اُسمیں ہوتی ہے کہ آدمی کی چربی پگھلتی ہے مرد بھی وہاں سے جو نکلتا ہے سو عرقناک پھر
عورت تو نازک ہوتی ہے وہ پسینے میں ڈوبی ہوئی حالت غش میں نکلتی ہے سوا اسکے
کذب و افترا یہ سچ ہے کہ اگر مدار سالار دنیا میں پیدا نہوتے تو رذالوں کے یہاں مال خوب
جمع ہوتا بلکہ ایک ایک کنجڑا قصائی لکھپتی بنجاتا

دیو کس مدت سے پیسوں کی ٹکسال ہے اُتر کے پہاڑوں سے شونا روپا تانبا سُرب
سُہاگا شہد چوک کچور سونٹھ پیپل با و برنگ لوں ہینگ موم پشمینہ ٹانگن باز جرہ شاہین
وغیرہ سوا اسکے اور بہت سی چیزیں پہاڑ کی پہاڑیے لاتے ہیں او بیچ جاتے ہیں بسبب
اسکے لوگوں کا ہجوم اور خرید و فروخت کی دھوم وہاں رہتی ہے

نیمکھار مصرک ایک نامی جگہ اور ہندوؤں کی بڑی پرستشگاہ ہے گومتی اُسکے قلعے کے تلے جا نکلی ہے نزدیک اُسکے ایک حوض ہے برھاورت کُنڈ اُسکو کہتے ہیں پانی اُسکا اندر ہی اندر جوش کھاتا ہے ساتھ اسکے ایسا چکر مارتا ہے کہ آدمی کی قدرت نہیں جو اسمیں غوطہ لگا سکے بلکہ جو چیز کہ اسمیں گرے فی الفور نکل پڑے ہنود کے نزدیک بڑا تیرتھ ہے مشہور ہے کہ جتنی کتابیں ہندی کی گردش فلکی سے اور انقلاب دہری سے گم ہوئیں تھیں تپسیوں ورشیوں نے اپنی طبیعت کی جودت اور ذہن کی حدت سے اسکے کنارے نئے سر سے اُنھیں درست کیا اور یکھا ہر ایک اُنکے مطالب سے فیضیاب ہوا قریب اسکے ایک سرچشمہ چھوٹی سی ندی کا ہے کہ وہ گومتی میں جا ملتا ہے گز کا چوڑا چار انگل گہرا جیسا اُسکے کنارے برہمن بیدخواں منتر پڑھتے ہیں اور وقت پرستش جس قدر چانول وغیرہ اُسمیں ڈالتے ہیں پھر اُنکا نشاں بھی نہیں پاتے

لکھنؤ بہت بڑا شہر ہے گومتی کے کنارے آگے بھی دار الحکومت تھا لیکن نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم نے بعد بکسر کے ہنگامے کے یہ رتبہ فیض آباد کو بخشا چنانچہ انتقال بھی اس سرائے فانی سے وہیں کیا پھر نواب آصف الدولہ بہادر مغفور نے اُسی کو نوازا اور دار الامارت ٹھہرایا آبادی اسکی بہت بڑھ گئی کہیں سے کہیں جا پہونچی اب بھی بدستور حاکم نشین یہی ہے لیکن بہیڑ پر جو بستا ہے اس سے نہایت نشیب و فراز اُسمیں واقع ہے

کسی کا گھر ہے ٹیلے پر ہوا میں
کسی کا جھونپڑا تحت الثرٰی ہے

غرض شہر مذکور میں کئی سرائیں اور بہت سے کٹرے ٹولے محلے آباد ہیں جس محلے میں شیخ بینا کی درگاہ ہے اُسے میناگری کہتے ہیں اکثر لوگ پنجشنبے کو فاتحہ کے واسطے وہاں جاتے ہیں اور بیشتر عوام الناس فاتحہ اُنکی گڑ چنے پر دلاتے ہیں اور بیرون شہر شرق کی

طرف لکھ پیڑے کے قریب مزار پیر جلیل کا ہے لیکن اُسکی قبر کا چبوترہ قدِ آدم بلند ہے زینہ ہے
اُس باعث کوئی متصل اُسکے جا نہیں سکتا وہیں سے فاتحہ پڑھ جاتا ہے ہر جمعے کو
وہاں اکثر تماشبین جواں برامی سیر اور اکثر جہلا* الواج عقیدے جاتے ہیں اور ماش کی کھچڑی اور
گڑ اور تیل چڑھاتے ہیں گستاخی معاف سوائے کشف و کرامت کے یے دونوں بزرگ
خوش ذائقہ بھی کتنے تھے کہ بعد رحلت ایسی نذر قبول کی اور کس چیز پر روح کو انکی رغبت
ہوئی شہر کے اُتر رُخ گومتی کے کنارے شاہ پیر محمد کا ٹیلا ہے آگے وہی دار العلم تھا اکثر
طلبہ و علما وہاں پڑھتے پڑھاتے تھے اور اپنی اوقات بسر بجاتے تھے سنا ہے کہ شیخ موصوف کو
سوائے نعمت فقر کے دولت علم بھی تھی فی الجملہ مرد صاحب کمال و صاحب حال و قال تھا
زندگی میں وہ مقام اُسکا مسکن تھا بعد مرگ مدفن ہوا اور مسجد بھی اُسپر ایک نہایت عالیشان
و وسیع گنبد اُسکے بر تبہ بلند و رفیع اور مینار اُسکے گومتی کے اُس پار پچھم اور اُتر کے آنے والوں کو
تین چار کوس سے نظر آتے ہیں کلس اُنکے اب تک ویسے ہی جگمگاتے ہیں اور قریب اُس سے
پورب طرف پنج محلہ ہے کثرت استعمال سے نون اُسکا حذف ہو گیا ہے اور جیم چے سے عوض
چنانچہ اکثر لوگ پچ محلہ کہتے ہیں مکان مذکور نواب ابو المکارم خاں کا دیوانخانہ تھا وہ بزرگ
لکھنؤ کے شیخوں سے ہے مگر امیر تھا اور وجہ تسمیہ مکان مسطور کی یہ ہے کہ زمانہ سابق میں یہاں
دو منزلے مکاں کو دو محلا اور سہ منزلے کو سہ محلہ کہتے تھے شاید یہ پنج منزلہ تھا اس سبب نام
اسکا پنج محلہ ہوا قصہ مختصر جب نواب برہان الملک سعادت خاں مرحوم قبائل سمیت اس
شہر میں رونق افزا ہوئے اس مکاں کو پانسو روپے کرائے کو لیا چنانچہ کرایہ نامہ اسکا نواب
مرحوم کی مہر سے آج تلک اُنکی اولاد کے پاس موجود ہے لیکن کرایہ چند روز ہی دیکر موقوف

* واہ عربی کے قاعدے سے پاجی کی جمع پواج خوب بنائی ہے ایسا تصرف بالکل بیجا ہے ۱۲

کردیا تھا اور اُسکے بدلے کوئی گانوں یا جاگیر بھی مرحمت نہ کی غرض نواب وزیرالملک صفدر جنگ
ابوالمنصور خاں بہادر مرحوم کے عہد حکومت تلک بنا اُسکی جوں کی توں ہی جس وقت نواب
وزیر اعظم شجاع الدولہ بہادر مغفور مسند ریاست پر بیٹھے تب مکانات اور شیخزادوں کے بھی
لیکر اس مکاں کے شامل کیے بلکہ ایک دہ بارہ دری اور نبوائی پھر عوض اُسکے اور وے
مکاں جو آپ لیے تھے دو گوّاں گانوں مالکوں کی جاگیر کردیا چند روز کے بعد وہ بھی سرکار
میں ضبط ہوگیا لیکن یے شیخ زادے نواب ابوالمکارم خاں مرحوم سے نسبت قرابت کی نہ رکھتے تھے
مگر ہموطنی کی پھر نواب وزیر ابن الوزیر آصف الدولہ بہادر خلد مکاں کا جب دور آیا اُنھوں نے
مکاں مسطور نئے سر سے تعمیر کیا نقشہ ہی اور کردیا بلکہ بہت سی حویلیاں لوگوں کی جو
اُسکے اطراف و جوانب میں تھیں شِگا دروازے سمیت وے گروادیں اور اُنکی جاگہ عمارتیں
نئی نئی وضع کی خوش قطع و دلچسپ بنوائیں چنانچہ سنگیں بارہ دری اور باؤلی والا مکاں
اُنھیں میں سے ہے سوائے اِنکے بھی بہت سے مکانات و باغات بنائے کہ ہر ایک اپنی
وضع میں بے نظیر اور نقش و نگار و صفائی میں بہ از صفحۂ تصویر ہے خصوصًا دولتخانہ کہ اشرف المکانات ہے
اسواسطے اُس جنت مکاں کی اکثر آرامگاہ وہی تھا تاریخ اُسکی بنا کی دولتخانۂ عالی
مؤلّف کے نتائج طبع سے ہے لیکن خیر العمارات امام باڑہ ہے واقعی کہ ایسا اُستوار و
پائدار کوئی مکاں نہیں اور کسی عمارت میں اس شاں کا دالاں نہیں

حضیض اُسکی اَوج فلک سے بلند ۔۔ نہ پہونچے جہاں وہم کی بھی کمند

مسجد بھی وہاں کی تمام شہر میں نمودار عمارت اُسکی نہایت استوار ہر ایک برج اُسکا
وسعت میں مسجد جامع کے برابر اور رفعت میں برج فلک سے ہمسر

ملائک زمیں پر ہوں ساکن اگر ۔۔ عبادت کریں بس وہیں بیٹھکر

اب نواب آصف الدولہ بہادر مغفور کے بعد نواب یمین الدولہ ناظم الملک سعادت علی خان
بہادر وزیر ابن وزیر نے جو مسند حکومت پر اجلاس فرمایا اور افضال آلہی سے ملک نے رونق
اپنا پایا علی ہذا القیاس متوجہ تعمیر کے ہوا چنانچہ کیا کیا مکان عالیشان و دلکشا بلکہ ایک منار
بھی نہایت پر فضا بنایا اور جتنے باغ تھے انکی رونق کو دوناکر دکھایا خصوصاً وزیر باغ اور
موسی باغ میں ایسی عمارت انگریزی دلچسپ بنائی کہ بہار وہاں سے کبھو نہیں جاتی
اور خزاں ہرگز آنے نہیں پاتی

طلسمات کا سا ہے اسمیں سماں	کوئی جا کے واں پھیر جاوے کہاں

فی الواقع ہر ایک عمارت قابل تعریف و لائق توصیف ہے لیکن بہترین عمارت بنائے
مکان علم مجازی حضرت عباس علیہ السلام ہے کہ نواب رفیع المکان نے خلوص عقیدت سے
سن بارہ سئے ستترہ میں از سر نو کس خوبی سے اسکو بنوایا اور ہزار ہا روپیہ اسکی تعمیر میں
اٹھایا تاریخ اسکی بنا کی مرزا قتیل شاعر کے اس مصرع سے نکلتی ہے

این گنبد جدید بنائے سعادتست

الہی اسکے بنانے والے کی بنیاد دولت کو مستحکم رکھیو اور توفیقات نیک کو اسکی
زیادہ کیجیو پچھم طرف پائیں اسکے لب دریا مرزا ابوطالب خاں کا امام بارہ ہے بنا اسکی
تمام شہر کے امام باڑوں سے مقدم ہے چنانچہ اسکی بنیاد کو ساٹھ برس تخمیناً گذرے ریاست
اسوقت نواب صفدر جنگ بہادر مرحوم کی تھی لیکن مکان مذکور کے مالک پہلے کلب علی خان
مرحوم تھے خان مغفور نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں مرحوم کا نانا تھا غرض کہ سن رسیدگی نے
اس مکان کو اپنے اقربا کے مدفن کے لیے بنا کیا تھا چنانچہ اسکے حین حیات میں ایک
آدھ قبر بھی وہاں بن چکی تھی بعد اسکے مرزا علی مرزا ابوطالب کے باپ نے تھوڑی سی زمین

اُس مرحوم سے امام باڑے کے واسطے نئی اس بزرگوار نے سعادت دارین جانکر نذر کی بلکہ جس
مکان میں وہ قبر ہے مجاوری بھی وہاں کی سکو دی کیونکہ وہ بیچارہ مرد غریب و گمنام تھا پر جیتے تلک
جیتا رہا مکان مذکور اسکے قبضے میں رہا اور والاں امام باڑے کا بنایا ہوا اُسی کا ہے بعد
اُسکی وفات کے مرزا ابوطالب خاں سپوت ہوا اُسنے نام و نشان روزگار میں پیدا کیا اسواسطے
امام باڑہ اسی کے نام سے مشہور ہے تین گانوں بھی اُسکے اخراجات کے لیے نواب شجاع الدولہ
بہادر مرحوم کے عہد حکومت سے معین ہوئے تھے لیکن نواب آصف الدولہ کے دور میں
منصفی ہو گئی تھی بالفعل نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر دام اقبالہ کے وقت میں
وہ بھی ضبط ہوئی پر مرزا مہدی علی خاں بہادر دام ثروتہ سال بسال وہاں کے اخراجات کے
لیے قدرے قلیل اپنی طرف سے گذرانتے ہیں فی الحقیقت یہ بھی وزیر ہی کی سرکار سے
ملتا ہے کیونکہ خان موصوف بھی اُس سرکار کا ایک ملازم مقرب ہے حق تعالیٰ توفیقات کو
اُسکی زیادہ کرے اور نواب وزیر کے دربار میں بعزت و آبرو رکھے بعد اسکے نواب وزیر الممالک
شجاع الدولہ بہادر کے عہد دولت میں جوہری محلے کے متصل باقر خاں نے ایک امام باڑہ بنایا
اور دونوں جہاں میں فائدہ اُٹھایا خاں مرحوم مغل ولایت زا عمدہ روزگار تھا کئی سے سوار
مغل وغیرہ اُسکے رسالے میں تھے اب آغا فتح علی خلف الصدق اُسکا قید حیات میں ہے
لیکن محض بیکار و تکالیف میں گرفتار پر مکان مسطور پر قابض ہے ایک گانوں بھی اس مبارک
بنیاد کے اخراجات کے لیے آصف الدولہ بہادر نے دیا تھا لیکن دو برس کے بعد اہل کاروں نے
کسی حیلے سے ضبط کر لیا غرض یہ خجستہ بنا فی الواقع محل قبولیت و مقام تعزیت ہے
مجلس میں یہاں کی شائبہ ریا کا نہیں سوائے گریہ و زاری اہل مجلس کو کام دوسرا نہیں

غلط ہے خلق کی کثرت کہیں نہیں ہوتی
ولے بُکا کی یہ شدت کہیں نہیں ہوتی

خوشا حال اُسکے بنانے والے کا کہ دنیا میں نام کیا اور عقبیٰ میں ثواب لیا قبر بھی اُس مرحوم کی اسی میں ہے بلکہ اکثر مومنین اغنیا و مساکین اُسکے مکانات و صحن میں آسودہ ہیں

الٰہی قبر میں ہر ایک سووے حبیب کے ساتھ
بروزِ حشر ہو محشور پھر حسین کے ساتھ

اور سال اُسکی بھی تعمیر کا از روے تاریخ نظم و نثر نگاہ لکھنے میں نہیں آیا مگر بعضے اکابر و آغا فتح علی کی زبانی معلوم ہوا کہ اسکی بنیاد کو اکتالیس یا پینتالیس برس گزرے ہیں العلم عنداللہ اور چوک سے متصل دکھن طرف فرنگی محل وجہ تسمیہ اُسکی یہ ہے کہ اکبر پادشاہ کے عہد سلطنت میں اس مکان کے بیچ ایک فراسیس سوداگر اترا تھا جو کہ بے اذن حضور عالی کے یہ امر وقوع میں آیا ملازمان حضور کو گوارا نہوا آخر اُسکا اخراج کیا پھر اورنگ زیب کے وقت میں حسب حکم پادشاہی ملا نظام الدین ملا قطب الدین شہید کے فرزندوں کو ملا چنانچہ ابتک بھی اُنکی آل اولاد کی سکونت وہیں ہے لیکن وجہ معاش جو اُنکی بند ہو گئی یہ صرف قصور طالع کا ہے والا آج نواب وزیر کی سرکار سے ہزاروں پرورش پاتے ہیں وارد و صادر یہاں سے بہتیرا کچھ لیجاتے ہیں پھر یہ تو استحقاق زیادہ رکھتے ہیں کیونکہ آبا و اجداد سے اس خاندان عالی کے نمک خوار و شکر گزار ہیں جسوقت مزاج جناب عالی کا تک ایک متوجہ ہوا یہ قلیل تو کیا چیز ہے ما ورا اسکے نعماء کثیر پائینگے اور مدت العمر کو بے نیاز ہو جائینگے لیکن کل امر مرہون باوقاتہا

تا در نرسد وعدہ ہر کار کہ ہست
سود نکند یاری ہر یار کہ ہست

حاصل یہ ہے کہ مکان مذکور قدیم مدرسہ ہے بڑے بڑے فاضل مدرس وہاں گزرے ہیں بلکہ ابتلک بھی سررشتہ درس و تدریس کا جاری ہے چنانچہ سواے شہر کے طلبہ اطراف

* ہر کام اپنے وقت پر موقوف ہے ۱۲

واکناف سے وہاں تحصیل کے واسطے آتے ہیں اور فیض اُنسے اُٹھاتے ہیں حق تو یہ ہے
کہ اس شہر میں چرچا علم وفضل کا بہ نسبت اور بلاد کے زیادہ ہے کیونکہ فریقین کے
فاضل یہاں موجود ہیں لیکن سُنیوں کے فرقے میں مستثنی مولوی امین صاحب اور
فرقۂ امامیہ میں مولانا سید دلدار علی سلمہ اللہ تعالی وحید عصر ہے تبحر اس بزرگ کا اُسکی تحریر سے
ہویدا ہے اور خوش بیانی اُسکی تقریر سے پیدا مذہب امامیہ کو ترقی کامل اُسنے بخشی اور
ہندوستان میں نماز جمعہ وجماعت اس مذہب کے لوگوں میں اُسی نے کی شعرا بھی
جتنے اُس شہر میں ہیں کیا فارسی گو کیا ریختہ گو کہیں نہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ بعد برہم ہونے
شاہجہاں آباد کے اکثر غریب امیر میرزایاں ہندوستان سے نواب صفدر جنگ وشجاع الدولہ
بہادر کے عہد میں آکر اس شہر میں بسکونت دائمی ساکن ہوئے پس شہر تو عبارت اشخاص
سے ہے یہی دلی ہوگیا اور باشندے بھی اسکے بسبب کثرت صحبت وتتبع زبان تلفظ
صحیح کرنے لگے یہانتک کہ جنکی طبع موزوں تھی شاعر ہوگئے باوجود اسکے بھی لہجے میں
تفاوت بہت رہ گیا لیکن محاورے میں کم کہ زبان دان ہی اُسکو سمجھے اور اُسی کی طبیعت
اُسپر لگے تبخانے بھی اندروں وبیروں شہر کے ہیں لیکن نعل دروازے کے پچھم طرف
کالکا کا تبخانہ قدیم ہے ہر پیر کو وہاں ہنود جمع ہوتے ہیں اور اُسکی پرستش کرتے ہیں
پر ہولی کے بعد کئی دن رات کو روشنی افراط سے وہاں رہتی ہے اور دکھن طرف شہر کے
باہر بھوانی کا مٹھ ہے وہاں بھی اٹھوارے میں ایک مرتبہ ہندو پوجا کو جاتے ہیں اور پکوان
وغیرہ بھی چڑھاتے ہیں مگر ہولی کے آٹھویں دن بڑا میلا ہوتا ہے تمام شہر کے ہندو بلکہ مسلمان
تماشبین اور رنڈیاں بھی اُسی قبیل کی ہزاروں جاتی ہیں اور جھمکڑے اپنے خواہشمندوں کو
دکھاتی ہیں تا شام اُسکے مندر کے گرد وپیش ایک دنگل جمع رہتا ہے بلکہ اُسکے قریب جتنے

باغ ہیں سے بھی آدمیوں سے معمور رہتے ہیں غرض اسطرح کا میلا شہر مذکور میں دوسرا نہیں ہوتا
نام اسکا اٹھوں ہے سورج کنڈ نام تالاب ہے شہر سے چار کوس پچھم دکھن کے درمیان وہاں بھی
ہر برس برسات کے اخیر ہندو زن و مرد لاکھوں نہانے جاتے ہیں بلکہ دور دور کے باشندے
بھی وہاں اپنے تئیں پہونچاتے ہیں۔ ساتھ اسکے مسلمان بھی ہزاروں نظر باز سج سجائے
ادھر ادھر اور کسبیاں بھی تمام شہر کی اپنے تئیں بنائے چنائے جدھر تدھر جلوہ گر غرض تماشا
وہاں بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔

بلگرام ایک بڑا قصبہ ہے اکثر وہاں کے لوگ قابل و شاعر و صاحب طبع ہوتے ہیں قصبۂ
مذکور میں ایک کنواں ہے جو کوئی چالیس دن متصل اسکا پانی پیے خوب گانے لگے سوائے اسکے
اکثر اہل کمال یہاں گذرے ہیں چنانچہ سید جلیل القدر عبد الجلیل بلگرامی بڑا شاعر علم عربی فارسی
میں خوب باہر فرخ سیر کے وقت میں گذرا ہے بلکہ سندھ کی وقائع نگاری بھی اسکو حضور اعلیٰ سے
مقرر تھی اتفاقاً سرکار مذکور میں ایک بار اسی عہد فرخ سیر میں مینھ کے ساتھ مصری برسی تھی اس
بزرگوار نے اس خبر نادر روزگار کو بھی حضور پرنور میں لکھ بھیجا حضرت اس خبر کو خلاف قیاس
سمجھکر نہایت برہم ہوئے کہ افترا کرنا اور بادشاہوں کے حضور لکھنا وقائع نگار کو ہرگز نہ چاہیے
شخص لائق اس امر کے نہیں غرض خدمت سے اس بیچارے کو تغیر کیا روزگار اسکا ناحق
جاتا رہا تب میر مذکور خبر مسطور کی صداقت کے لیے وہاں کے قاضی مفتی بلکہ اکثر اشراف ثقات
کی مہروں سے ایک محضر کرواکر حضور میں لے آیا اور مورد الطاف ہوکر اسی خدمت پر پھر
سرفراز ہوا یہ رباعی حسب حال اسکی طبع زاد ہے۔

رباعی

فرخ سیر آں پادشہ با برکات
چرخ از ادبش شدہ شیریں حرکات

قدر سندھ زمین عہد دولتمند شش		باراں بارید ریزہ قند و نبات

بعد اُس بزرگ کے میر غلام علی آزاد بھی شعر و سخن و علم و فضل میں اپنے معاصرین کے
بیچ لاثانی تھا بلکہ اشعار عربی تو اُس فصاحت و بلاغت و بہتاییت کے ساتھ کہ اہل ہند میں
کسی نے اُس سے آگے بھی نہیں کہے قصائد اسکے اُس بات پردال ہیں اور اسکی تعریف میں
فصیحاں عرب کی زبانیں لال پیدائش اُسکی گیارہ سے چودہ ہجری میں اور وفات اُسکی سن
بارہ سے دو میں پوتا بھی اُسکا مفتی امیر حیدر اسوقت میں مغتنم زمانہ اور اپنے معاصرین میں
یگانہ تھا علوم عربیہ میں مہارت تمام اور فنون فارسی میں دستگاہ والا کلام اسکو تھی نثر کی
جمیع اقسام پر قادر تھا اور نظم کے تمام اسراروں سے باہر صاحبان کمپنی دام ظلہم کی سرکار میں
مفتی گری کی خدمت پر برسوں سرفراز رہا اور صاحبان عالیشان کے نزدیک اپنے ہمچشموں میں
ہمیشہ ممتاز اتفاقاً سن بارہ سے سترہ میں قبائل اُسکے بلگرام کو روانہ ہوے میر موصوف
اُنکے پہونچانے کے لیے آپ بھی تا عظیم آباد ساتھ ہوا مرشد آباد تلک پہونچا تھا
کہ عرض الموت نے آگھیرا آخر منزل مقصود تلک جانے نہ دیا مگر اول منزل پہونچایا حاصل
یہ ہے کہ یہاں کی زمین قابل خیز ہے ایک نہ ایک صاحب کمال یہاں پیدا ہو رہتا ہے قصہ مختصر
صوبہ مذکور کی آب و ہوا نہایت خوب ہے اور اناج اکثر قسم کا یہاں پیدا ہوتا ہے خصوصاً
استعمالی اور جھنوان چانول نہایت خوش ذائقہ و سفید و پاکیزہ و خوشبو ہوتے ہیں اور ہندوستان کے
اکثر متعلقات سے اس صوبے کے کتنے ہی محالوں میں کھیتیاں تین مہینے پہلے
بوئی جاتی ہیں اور بعضے مقاموں میں دریا جیٹھ کے مہینے میں چڑھتے ہیں اکثر قطعے
زمین کے پانی میں ڈوب جاتے ہیں پر جوں جوں پانی زیادتی کرتا ہے دھان زیادہ
پھبکتا ہے اور بڑھتا اگر بال لگنے سے پہلے پانی کی طغیانی ہو جائے تو دھان اُس

کھیت کے بال نہیں لاتے اور جنگلوں میں یہاں کے ارنے شیر کثرت سے ہوتے ہیں
خصوصاً گورکھپور بہرایچ کی اطراف میں سوائے اُنکے ہرن پاڑھے وغیرہ جانور صحرائی بافراط
نظر آتے ہیں اگرچہ دریاؤ اس صوبے میں بہت ہیں لیکن بڑے تین گھاگرا سرجو اسنی طول
اسکا سرکار گورکھپور سے قنوج تک ایک سو تیس کوس اور عرض کوہ شمالی سے تا سدھور تابع
الہ آباد ایک سو پندرہ کوس شرق کی جانب اسکے بہار شمال کی طرف پہاڑ جنوب کی سمت مانکپور
مغرب کی طرف قنوج اودھ بہرایچ خیرآباد لکھنؤ گورکھپور پانچ سرکاریں متعلق اُنکے ایک سو
ستانوے محال آمدنی چھ کروڑ پانچ لاکھ چالیس ہزار دام -

صوبہ سرایا بہار بہار

دارالحکومت اسکا عظیم آباد عرف پٹنہ ہے نہایت خوش سواد و خوش آب و ہوا گنگا کے
کنارے اور اُس مقام میں اس دریاؤ کو اٹھارہ گنڈے ندی بھی کہتے ہیں طول آبادی کا
بہت بڑا اور عرض چھوٹا عمارتیں سابق میں کھپریل کی بیشتر تھیں اب پختہ بھی ہیں کیونکہ
آبادی اور رونق شہر مذکور کی صاحبان انگریز کی ریاست میں بڑھ گئی ہے چنانچہ باقی پور تین
کوس شہر سے پرے پچھم طرف اور اُس سے تین کوس آگے داناپور یہ دونوں معمورے
معقول آباد ہوے ہیں اکثر صاحبوں کی کوٹھیاں حویلیاں باغ وہاں ساتھ ایک لطف
و قرینے کے ہیں غرض شہر سے تا باقی پور اور وہاں سے داناپور تک بستی ہی بستی ہے
فاصلہ نہیں شہرپناہ اسکی خام مگر دریا کی طرف کی الگ خشتی ہے اور قلعہ وہاں جام ہے
فی الحقیقت ایک عمارت کلاں خشتی ہے لیکن اب پرانی ہوگئی مکانات اسمیں متعدد ہیں اور
قریب اُسکے پچھم کی طرف ایک مسجد و مدرسہ نہایت کشادہ و خوش عمارت اگرچہ عمارت اُسکی اب
پرانی ہوگئی ہے لیکن شہر مذکور میں لاثانی ہے گوکہ مسجدیں کہنہ و نو بہت سی ہیں یوں

سنا ہے کہ بنا اسکی نواب سیف خاں مرحوم نے ڈالی تھی پر تعمیر نواب ہیبت جنگ نے کی
بالفعل نواب سراج الدولہ کی نواسیوں کے قبضے میں ہے پورب دروازے کے آگے ایک
مسافت بعید پر جعفر خاں کا باغ ہے اور پچھم دروازے سے ایک کوس کے فاصلے پر شاہ
ارزاں کی درگاہ سوا اسکا سہاونا ہر ایک مکاں لگو بنا ہر پنجشنبہ شہر کے لوگ بکثرت وہاں
جمع ہوتے ہیں اور کنچنیاں کسبیاں بھی تمام شہر کی جاتیاں ہیں ناچ کی صحبت تا شام
بلکہ کچھ ایک رات گئے تک رہتی ہے لیکن صاحبان عالیشان کی ریاست سے پہلے
ازدحام خلائق کا بکثرت ہوتا تھا اب اسقدر نہیں پر تھوڑا بہت مجمع ہو ہی رہتا ہے کیونکہ
کوئی مزاحم و مانع نہیں جسکا جی چاہا گیا جسکا جی نہ چاہا نہ گیا دکھن رخ اس درگاہ کے ایک
امام باڑہ ہے جلے کے کنارے تعزیے تمام شہر کے عاشورے کے دن وہیں دفن
ہوتے ہیں صحن اسکا نپٹ کشادہ اور مصفا اور ہوا نہایت خوش آیند و پاکیزہ خصوصاً
برسات میں جو کوئی وہاں جاوے نہایت حظ اٹھاوے

جو چاہے کہ کھوئے دل تنگ کو	کرے دید وہاں کے ذرا رنگ کو

غلہ بھی اقسام کا بکثرت ہوتا ہے بیشتر ارزانی رہتی ہے اور دودھ نہایت گاڑھا
چکنا دہی بھی نپٹ خوش ذائقہ چکنا بہتایت سے بہم پہونچتا ہے اور ترکاریاں ہر قسم کی
بافراط اور سستی لیکن تر میوے بعضے بعضے خوب ہوتے ہیں خصوصاً انار نہایت
خوش مزہ بہت بڑا دانہ بھی اسکا گندہ نپٹ رسیلا اگرچہ ولایت کا سا تو نہیں لیکن
ہندوستان کے اکثر بلاد کے اناروں پر شرف رکھتا ہے غرض جلال آباد کے انار سے
کلانی و خوبی میں کچھ کم نہیں کپڑا بھی اقسام کا خوش قماش اس صوبے میں بنا جاتا ہے
خصوصاً ململ فتحپور کی مشہور لیکن حقے اور بعضے ظروف شیشے کے عظیم آباد سے

بہتر کہیں نہیں بنتے خُوشا بھی امرت پھیلا اور کیلا کثرت سے ہوتا ہے اگر کوئی اُسکو پالے
اور پڑھائے تو جلد ہووے اور بجولی پڑھے تیس کوس شہر مذکور سے جنوب کی طرف دامن
کوہ میں گیا ایک بڑا معبد ہنود کا ہے دور دور سے ہنود وہاں آکر اپنے جد و آبا کی ارواح کے
لیے داں پن کرتے ہیں خصوصًا چلے کے جاڑے میں جب آفتاب قوس میں آتا ہے
ہزاروں اشخاص مرد و زن اُس مکان میں نزدیک و دور سے آکر جمع ہوتے ہیں پھر شرادھ اور
ترپن مراد سے اپنے مردوں کی روح کو مسرور کرتے ہیں اور اُس عمل کو اُنکی نجات کا موجب
اور اپنی بہتری عبادت جانتے ہیں قریب اُسکے سنگ مرمر کی کان ہے بیشتر وہاں ظروف
و ورید سنگ مذکور کا بناتے ہیں اور اچھی دستکاری کی خوبیاں دکھاتے ہیں کاغذ بھی
اروال اور بہار میں بہتر سے بہتر بنتا ہے۔

سرکار مونگیر خلاصۃ التواریخ کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد میں یا اُس سے
سابق ایک دیوار سنگین گنگا سے پہاڑ تک بنا کر صوبہ بہار کی انتہا اُسکو مقرر کیا تھا لیکن مدتہا
سال سے الی الآن کہ سن اٹھتالیس جلوسی شاہ عالم کے ہیں اسکا نشان بھی سُننے دیکھنے
میں نہیں آیا خدا جانے تھی یا نہ تھی دریا کنارے ایک قلعہ پختہ البتہ تعمیر ہوا تھا بالفعل بھی
موجود ہے لیکن عمارت اُسکی جابجا سے گر پڑی ہے اندر اُسکے صاحبان انگریز نے بنگلے اور
بعضے مکان پختہ بھی بنائے ہیں اور جھار کھنڈ کے پہاڑ تلے بیجناتھ ایک معبد ہے اُسکو
مہادیو کا مکان کہتے ہیں وہاں پیپل کا ایک درخت کہ اُسکے اُگنے کا آغاز کسی کو معلوم نہیں
وہاں کے مجاوروں میں جسکو احتیاج خرچ ضروری کی ہوتی ہے وہ کھانا پینا چھوڑ کر اُسکے
نیچے آبیٹھتا ہے اور مہادیو سے التجا کرتا ہے دو تین دن کے بعد ایک پتا لکھا ہوا قلم غیب سے
بخط ہندی اُسکو وہاں پڑتا ہے اس سے روپے جتنے کہ اُسکی قسمت میں تھے اور نام

دینے والے بلکہ اُسکے باپ دادا و فرزند کا بھی مع ملک و سمت ہر چند کہ پانسو کوس پر کیوں
نہو ظاہر ہوتا ہے تب وہ اسکو اپنے سردار پاس لیجاتا ہے وہ مطابق اُسکے ایک کاغذ لکھ
دیتا ہے اسی کو ہنڈوی بیجنا تھ کہتے ہیں پھر طالب اسکو لیکر اُس شخص کے پاس لیجاتا ہے
فی الفور وہ زر مسطور حامل کاغذ کے حوالے کرتا ہے چنانچہ خلاصۃ الہند کے مؤلف نے
لکھا ہے کہ ایک بامن وہاں کا میرے نام پر بھی لایا تھا میں نے سعادت جان کر زر معلوم
ادا کیا نادر تر اُس سے یہ ہے کہ اُس معبد میں ایک غار ہے کہ مجاوروں کا رئیس سال میں
ایک بار شیوبرت کے دن اُس غار میں جاکر خاک اُٹھا لاتا ہے اور ہر ایک مجاور کو اسمیں سے
دیتا ہے بقدر اُسکے نصیب کے وہ خاک سونا ہو جاتی ہے۔

ترہٹ قدیم سے دار العلم ہندی ہے آب و ہوا وہاں کی نہایت خوب دہی یہاں کا
چکا اور نہایت خوش فرہ بہت تحفہ بلکہ خلاصۃ التواریخ کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک
برس تلک نہیں بگڑتا اغلب کہ یہ مبالغہ ہو کیونکہ عقل و نقل کے خلاف ہے اور دودھ بھی
علی ہذا القیاس کہتے ہیں کہ اہیر اگر پانی اُسمیں ملا دیوے تو غیب سے اُسے ایک صدمہ پہونچے
اور بھینس بھی اُس بستی میں اتنی بڑی اور قوی ہوتی ہے کہ شیر اُسکو شکار نہیں کر سکتا
علاوہ اُسکے برسات میں ہرن بارہ سنگے شیر بکثرت اکٹھے ہو کر بستی میں آتے ہیں
اور باشندے وہاں کے حظ اُنکے شکار سے اُٹھاتے ہیں۔

سرکار چنپارن کی زمین قابل میں اگر ماش بکھیر دیویں تو بیرنج کشتکاری اُگ اٹھیں
اور اُسکے جنگل میں پیپلیں بہت پیدا ہوتی ہیں۔

رہتاس قلعہ ہے ایک بلند پہاڑ دشوار گزار پر چودہ کوس کے پھیر میں کھیتان اسمیں
اکثر ہوتی ہیں چشمے بھی بہت سے جوش مارتے ہیں اور جس جگہ وہاں چار گز کھود دیے

پانی نکل آئے آبشاریں بیشتر تالاب برسات میں دو سو سے کچھ اوپر القصہ اس صوبے میں گرمی
بشدت جاڑا معتدل دو مہینے سے زیادہ لباس پہنی کی احتیاج نہیں ہوتی منہ چھ مہینے
آگے برستا تھا اب بھی پانچ مہینے سے کچھ کم و زیادہ برس رہتا ہے زمین یہاں کی تمام سال
دریاؤں کی بہتایت سے شاداب رہتی ہے باد بشدت نہیں چلتی گرد بھی نہیں اُڑتی
کشتکاری جیسی چاہیے ویسی ہوتی ہے خصوصاً دھان یہاں کے نہایت پاکیزہ اور
چنندہ* پر کہساری ایک ناج کثرت سے ہوتا ہے نیٹ سستا بد مزہ مٹر کے مانند مفلس
تہیدست یا کمینے اُسے کھاتے ہیں گو کہ وہ سبب بعضے امراض کا بھی ہوتا ہے اگرچہ
دریا اس صوبے میں بہت ہیں پر گنگا سون گنڈک کالن نز لیکن سون جبال جنوبی سے
آگر منیر کے نزدیک گنگا سے مل گئے ہیں کہ نربدا اور وہ ایک چشمے سے نکلی ہیں اور گنڈک
شمال کی جانب سے آحاجی پور کے قریب کرم ناسا ایک دکھن کے پہاڑ سے نکلکر چوپنسا گذر کر
اور پُن پُن جنوب کی طرف سے آعظیم آباد کے نزدیک غرض بہتر دریا ایسے کہ جنمیں ناؤ چلے
اور چھوٹے انگنت گنگا سے شہر مذکور تک پہونچتے پہونچتے ملے اکثر ہندو خاص کرم ناسا کو
اُترتے ہوئے یہ احتیاط کرتے ہیں کہ ایک قطرہ اُنکے بدن تک نہیں پہونچتا نہانے کا تو
کیا ذکر ہے پر خلاصۃ التواریخ کے مُولف نے لکھا ہے کہ جس مقام میں گمنڈک گنگا سے
ملی ہے جو کوئی وہاں کا پانی پیے اُسکے گلے میں گھینگا نکلے رفتہ رفتہ نارجیل کے برابر ہو جائے
اور سیر المتاخرین والا یہ لکھتا ہے کہ حاجی پور کی آب و ہوا کی یہ خاصیت ہے اکثر وہاں کے لوگ
اس مرض میں گرفتار رہتے ہیں اور گھینگے اُنکے گلوں کے ہار لیکن واقع میں اُسکے خلاف ہے
شاید چالیس پچاس برس آگے یہ بات ہو تو ہو اب تو نہیں ہاں بعضے بعضے اشخاص کے

* یہاں بجائے صیغہ فاعل کے صیغہ مفعول یعنی لفظ چیدہ لکھنا چاہیے ۱۲

گلوں میں البتہ سو یہ کہاں نہیں اور پانی دریاے مذکور کا بشر اکثر گنگا بلکہ ہزاروں آدمیوں نے
پیا ابتلک بھی پیتے ہیں لیکن گلا کسی کا سوجتا بھی نہیں گھینگے کا تو کیا ذکر ہے مگر ایک
بوڑھی گنڈک مظفرپور کے تلے بہتی ہے اُسکے پانی کا یہ اثر مقرر ہے بلکہ مبالغہ یہانتک
کرتے ہیں کہ چرند پرند جو اُسکا پانی پیے یہ بیماری اُسکے گلے پڑے چنانچہ مظفرپور کے اکثر
حیوان و انسان اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں وہ جو سُنا تھا کہ ایک سرزمین کی چڑیا کو بھی
گلے میں گھینگا ہوتا ہے وہ یہی ہے اور سالگرام ایک پتھر حاجی پور کی اطراف میں ہوتا
رنگ اُسکا سیاہ مقدار میں چھوٹا گول روغنی فارسی میں سنگ محک اُسے کہتے ہیں راقم
خلاصۃ التواریخ کا بیان لکھتا ہے کہ چالیس کوس کے عرصے تک قصبۂ مذکور کی نواح
نکلتا ہے ہندو اُسکو بھی ایک مظہر الٰہی سمجھکر پرستش کرتے ہیں بلکہ برہمنوں کا عقیدہ
جو بُت کہ ٹوٹ جائے قابل پوجنے کے نہیں مگر یہ پتھر قصہ کوتاہ طول اس صوبے کا تیلیا
گڑھی سے لیکر رہتاس تلک ایک سو بیس کوس اور عرض ترہٹ سے کوہ شمالی تلک
ایک سو دس کوس شرق رویہ اسکے بنگالہ غرب رخ الہ آباد جانب شمال اور جنوب کی طرف
ایک بڑا پہاڑ حاجی پور مونگیر چمپارن سارن ترہٹ پٹنہ بہار آٹھ سرکاریں متعلق اُسکے
دو سو چالیس محال آمدنی اٹھائیس کروڑ سات لاکھ تینتیس ہزار دام فقط

آرایش محفل کا انتخاب تمام ہوا

گنج خوبی کا انتخاب

پندرھواں باب عدالت میں

عدل ایسا حاکم ہے کہ ملک کو آباد کرتا ہے اور ایسا نور ہے کہ تاریکی کو برباد کرتا ہے خدائے پاک و برتر اپنے بندوں کو قرآن شریف میں فرماتا ہے جسکا یہ ترجمہ ہے کہ تحقیق اللہ حکم کرتا ہے تمہیں واسطے عدل اور احسان کے پس عدل کے یہ معنی ہیں کہ داد مظلوموں کی دیوے اور احسان ادسے کہتے ہیں کہ مرہم آرام کا گھاؤ پر ظلم کے گھائلوں کے رکھے حکم ہے کہ ایک ساعت کا عدل بادشاہ کا طاعت کی ترازو کے پلڑے میں بہت بھاری ہے ساٹھ برس کی عبادت سے اسواسطے کہ ثواب عبادت کا سوائے عابد کے دوسرے کو نہیں ملتا اور فائدہ عدل کا خاص و عام اور چھوٹے بڑے کو پہنچتا ہے اور مخلص صاحب دین و دولت کی اور بھلائی ملک و دولت والوں کی اسی کی برکت سے قائم اور آراستہ ہوتی ہے اور عوض عدل کا حساب کی حد سے زیادہ ہے اور قیاس کے اندازہ سے بہت

حکایت کہتے ہیں کہ کسو بادشاہ کو یہ آرزو ہوئی کہ حج ادا کروں اور نہایت ادب سے خدا کے

گھر کے گرد پھروں اور طواف بجالاؤں اور اس نیت درست کے برآنے کے باعث اور اس خواہش کے
قبول ہونے کے سبب اور بادشاہوں اور ہمسروں سے ابرو پاؤں اور سربلند ہوجاؤں اس لیے کہ بیت

خدا کے گھر کا جو کوئی کہ حج بجالاوے	وہ دو جہاں میں بزرگی کا مرتبہ پاوے

امیروں اور ارکان دولت نے اور اشرافوں اور عالموں نے اور قاضی اور مفتی نے عرض کی کہ قبلۂ عالم
حج ادا کرنے کے واسطے امنیت راہ کی شرط ہے اور بادشاہوں کے دشمن بہت ہوتے ہیں اگر لشکر
اور اسباب ساتھ لیکر ارادہ کیجیے گا تو نباہ انکا اس بڑے لمبے سفر میں سخت مشکل ہے اور اگر تھوڑے
ملازموں سے قصد فرمائیے تو راہ میں بہت سے خطروں کا وسواس دل میں آتا ہے علاوہ بادشاہ
اپنے ملک میں ایسا ہے جیسے بدن میں جان اور تن میں روح پس جس وقت سایہ آپ کے دامن دولت کا
رعیت کے سر سے علیحدہ ہووے بڑا خلل پیدا ہو اور تمام کام خاص و عام کے نے بند و بست
ہوجاویں اور سلطنت کے کاروبار میں ہرج مرج آجاوے یہ سنکر سلطان نے فرمایا کہ اگر سفر کرنے کا
اتفاق نہو سکے تو کیا تدبیر کروں جو ثواب حج کا پاؤں اور برکت سے اس اطاعت کی بہرہ مند ہوجاؤں
سب نے التماس کیا کہ اس ملک میں ایک درویش ہے کہ مدت تک کعبۂ شریف میں رہا ہے اور سات
حج بانشراح بجالایا ہے اب وہ ایک گوشے میں بیٹھ رہا ہے اور دروازہ خلق کی آمد و رفت کا بند کیا ہے بیت

خلق کی صحبت سے دامن اپنا جھاڑ	پا بدامن اب وہ ہے جیسے پہاڑ

شاید کہ ثواب حج کا اس سے خرید کر کے اسکے باعث اس نعمت عظمی سے مشرف ہوسکیے پادشاہ
ازبس کہ پورا اعتقاد اہل اللہ کی خدمت میں رکھتا تھا اس درویش پاس گیا اور باتوں کے درمیان
یہ بھی ذکر کیا کہ خود بخود میرے دل میں آرزو حج کی پیدا ہوئی ہے اور امرا اور مشائخ صلاح دیتے ہیں
کہ اس ارادے کو موقوف کروں سو سننے میں آیا ہے کہ تمنے حج بہت کیے ہیں کیا ہو جو ایک
حج کا ثواب میرے ہاتھ بیچو تو تم بھی دولتمند ہوجاؤ اور میں بھی اس ثواب سے محروم نہ رہوں

درویش نے کہا کہ میں سب حجوں کا ثواب تمہارے ہاتھ بیچتا ہوں پادشاہ نے پوچھا کہ ہر حج کا ہدیہ کیا
مقرر فرماتے ہو جواب دیا کہ ہر ایک حج کرنے میں جو قدم میں نے رکھا ہے ہر ایک قدم کی تمام دنیا اور
جو کچھ اس دنیا میں ہے قیمت کرتا ہوں سلطان نے فرمایا کہ اس دنیا سے اور اسباب دنیا سے تھوڑا سا
میرے تصرف میں ہے سو اتنا تو تمہارے ایک قدم کا مول نہیں ہو سکتا پس ایک حج کو کیونکر خرید کر سکونگا
اور اس صورت میں ہدیہ سب حج کا کس طرح خیال میں لاؤں درویش نے کہا اگر تم چاہو تو سارے حج
لے سکتے ہو اور قیمت دے سکتے ہو پادشاہ نے خوش ہو کر کہا کیونکر جواب دیا کہ ایک مظلوم کے قضیے میں
جو تم نے انصاف کیا ہو اور ایک دم کسو فریادی کے کام میں مشغول ہوے ہو تم اسکا ثواب مجھے
بخشو تو میں ثواب ساتوں حج کا تمہارے ہاتھ بیچوں تب بھی میں ہی گویا بڑا نفع کماؤں اور میں ہی
اس سودے میں سود پاؤں پس اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پادشاہ کو بعد ادا کرنے
فرض اور سنت کے کوئی بندگی اس شغل سے جسمیں بھلائی خدا کے بندوں کی ہو بہت واجب
نہیں اور انصاف کی صفت سے زندگی کرنی اور عدالت اور حمایت کی نظر سے رعیت کی طرف
دیکھنا کوئی کام اس سے بہتر نہیں کیونکہ اگر حمایت عدالت کی نہووے تو صاحب قوت اور زورآور
ضعیفوں اور کمزوروں کو پیس ڈالیں پس جس وقت غریب ہلاک ہو جاویں تو طالع مند بھی برجا نہ رہیں
اس لیے کہ زندگانی تمام خلقت کی آپسمیں ایک دوسرے سے وابستہ ہے اور آراستگی آدمیوں کے
احوال کے کام کی سواے عدل کے ہرگز ممکن نہیں ✦ **قطعہ**

عدل اک نور ہے جس سے ہے جہاں سب روشن	اور مہک اُسکی سے خوشبو ہے یہ دنیا کا چمن
کام جو کچھ ہے غریبوں کا سو انصاف سے کر	تو ترے کام بھی جو چاہیے سو سب بجاویں بن

اور عدالت کی تعریف اور بڑائی میں یہی نکتہ کفایت کرتا ہے کہ عادل خدا کا دوست اور تمام عالم کا
پیارا ہے اگرچہ اُسکے عدل سے فائدہ اُنکو نہ پہنچا ہو اور ظالم دشمن خدا کا اور سب خلق اللہ کا

مردود ہے گو کہ اُسکے ظلم سے نقصان اُنکا نہوا ہو اور دلیل اس سخن کی اور شاہد اس بات کا قصہ نوشیرواں عادل کا اور حجّاج ظالم کا ہے باوجودیکہ کسریٰ کافر اور آتش پرست تھا اور حجاج مسلمان تھا اور پیغمبر کے اصحابوں کو اُسنے دیکھا تھا تسپر بھی جب نوشیرواں کا نام کوئی لیگا تو اسپر رحمت کہینگے اور انصاف کے باعث اُسکی تعریف کرینگے اور جس وقت حجاج کا ذکر آویگا اُسکے ظلم کے سبب سے اسپر لعنت کرینگے ✤ ابیات

پادشاہت کا عدالت ہے سنگار	مردم آزاری نکر اے شہریار
سلطنت کو عدل رکھّے پائدار	کام تیرا عدل سے پکڑے قرار
جسکی خو دنیا میں عدل و داد ہے	عاقبت میں اُسکا گھر آباد ہے

حکایت ✤ عبداللہ طاہر نے ایکروز اپنے بیٹے کو کہا کہ تُسکے دولت ہمارے گھرانے میں جبتک رہتی لڑکے نے جواب دیا کہ جبتک فرش عدل کا اور بچھونا انصاف کا اس محل میں بچھا رہیگا وہ بھی اپنا گھر جانکر بسیگی ✤ قطعہ

جو پادشاہ تختِ عدالت پہ ہو چڑھا	سجتا ہے اُسکے سرپہ چتر شان و فخر کا
انصاف کا لباس اُتارے بدن سے جب	لعنت کا طوق اُسکے گلے میں لگے بھلا

حکایت ✤ تواریخ میں لکھا ہے کہ پادشاہ عادل زمین پر گویا خدا کے لطف کا سایہ ہے کہ اُسمیں ہر ایک مظلوم پناہ پاوے ہے اور یہ بات مقرر ہے کہ جس کسو کو سورج کی دھوپ سے دکھ پہونچتا ہے آرام کے لیے چھانوں میں جا گھستا ہے تو رنج اُسکا راحت سے بدلا جاوے اور سکھ پاوے اسی طرح مظلوم بھی جب ستم کے آفتاب کی تابش سے اور ظلم کی آگ کی گرمی سے گھبراتا ہے عاجز ہو کر خدا کے سایے کی پناہ میں کہ وہ عبارت پادشاہ سے ہے آوے ہے تو ظالموں کے ظلم کے رنج کی دھوپ سے اُس ٹھنڈی چھانوں میں آرام و چین پاوے ہے ابیات

خدا کی مہربانی ہے اگر سلطانِ عادل ہے
کہ لطفِ حق ہمیشہ عدل میں شاہوں کے شامل ہے
خدا کے بندوں کو سائے میں اپنے چین سے رکھکر
بزرگی سے تو اپنے پانوں رکھ گردوں کے سر پر

حکیموں کا قول ہے کہ عدل کے معنی یہ ہیں کہ سب خلق اللہ کو برابر رکھے یعنی ایک گروہ کو ایک گروہ کا زبردست کرے اور ہر طائفے کو موافق اسکے مرتبے کے درجہ دے اور خدمت کرنے والے پادشاہوں کے فی الحقیقت چار فرقے ہیں پہلے صاحب شمشیر جیسے امرا اور سپاہی یہ خواص آگ کا رکھتے ہیں دوسرے اہل قلم مانند وزیر اور منصدی کے یہ مثال ہوا کے ہیں تیسرے اہل معاملہ چنانچہ سوداگر اور دکاندار یہ بجائے پانی کے ہیں چوتھے رعیت جو کھیتی کرتے ہیں یہ برابر خاک کے ہیں پس جسطرح کہ ایک عنصر چار دوں عنصر میں سے دوسرے پر غالب ہوتا ہے اور مزاج انساں کا خراب ہو جاتا ہے ویسے ہی ایک گروہ کے غالب ہونے سے ان چاروں گروہ میں سے طبیعت ملک کی بگڑ جاتی ہے یعنی اُجاڑ ہو جاتا ہے آراستگی عالم کی اور بندوبست خلق اللہ کا خراب اور نا آراستہ رہتا ہے ❊ قطعہ

خلق میں ہے ہر اک کا اک درجہ
اس جہان کی قدیم سے ہے یہ چال
اپنی حد سے جو کوئی زیادہ بڑھے
فتنے ہر طرف سے اُٹھیں نے الحال
ہر کسو کو تو مرتبے پہ رکھ
پھر تو اپنی جگہ پہ رہ خوش حال

اور ایک فضیلت عدل کی یہ ہے کہتے ہیں کہ سلطان عادل کے اعضا کو قبر کی خاک بعد مرنے کے خراب نہیں کرتی اور اثر کرنے نہیں پاتی ❊

حکایت لکھتے ہیں کہ ایک عالم نے مامون پادشاہ کی مجلس میں یہ حدیث پڑھی کہ بدن عادل پادشاہوں کا گور میں نہیں بگڑتا اور بند بند اُسکے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے پادشاہ نے کہا مجھکو پیغمبر خدا کی حدیث کے سچ ہونے میں شک و شبہہ نہیں لیکن یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ نوشیرواں کو دیکھوں کہ وہ فی الواقع عادل تھا کیونکہ زبان مبارک سے حضرت

رسالت پناہ نے صلوٰۃ اور سلام ہوجیو خدا کا اُنپر اور اُنکی آل پر فرمایا ہے کہ میں پیدا ہوا ہوں پادشاہ عادل کے وقت میں آخر پادشاہ نے قصد اُس کا کیا جب وہاں پہونچا حکم کیا کہ تہخانہ نوشیرواں کا کھولیں آپ جاکر دیکھا تو صحیح سلامت خاک میں سوتا ہے جیسے کوئی شخص خواب میں ہوتا ہے اور تین انگوٹھیاں اُسکی چھنگلیاں میں ہیں ہر ایک کے نگینے پر ایک نکتہ پند کا لکھا ہے ایک پر یہ لکھا تھا کہ دوست اور دشمن کے ساتھ مہربانی کرے دوسرے پر یہ نقش تھا کہ کوئی کام بغیر داناؤں کی مصلحت کے شروع نکرے تیسرے پر یہ لکھا تھا کہ رعایت رعیت کی منظور رکھے اور ایک روایت میں لکھا ہے کہ تختی سونے کی اُسکے سرہانے لٹکی تھی اُسپر بھی لکھا تھا کہ جو کوئی چاہے کہ خدا تعالیٰ ملک کو اُسکے زیادہ کرے تو اپنے عصر کے عالموں کا ادب کرے اور اگر پادشاہ چاہے کہ ملک اُسکا بہت ہو لازم ہے کہ اپنی ذات میں صفت عدل کی بڑھاوے مامون نے فرمایا کہ ان نصیحتوں کو لکھ لیں اور اُسکی قبر کی خاک کو عطر اور گلاب سے خوشبو کرکے بند کردیں اور نقل ہے کہ اُس تہخانے میں ایک مصاحب نے دیوانگی بو لینے کی مانگی بعد اجازت کے بولا کہ عدل کی خاصیت یہ ہے کہ بعد مرنے کے عادل سے اگرچہ کافر ہو ضرر خاک کا باز رکھے ہے پس اگر عادل سعادت اسلام سے نیکبخت ہو تو کیا تعجب ہے کہ قیامت میں آفت آتش دوزخ کی اُس سے باز رکھے پادشاہ کو یہ نکتہ پسند آیا فرمایا کہ نیچے ان وصیتوں کے اسکو بھی لکھ لیں ✤

ابیات

انصاف سے نیکنامی دنیا میں ملے		محشر میں بھی عاقبت کا سب خوف ٹلے
دنیا میں بڑا سب سے بنا دے تجھکو		اور حشر کی پرسش سے چھڑا دے تجھکو

اور ستون عدل کا یہ ہے کہ فریادیوں کی فریاد سے یعنی مظلوموں کی بات پر کان رکھے اور شفقت سے متوجہ اُنکے کام بنانے کی طرف لاوے اور اگر اپنا احوال بہت کہیں تو اُکتا نہ جاوے کیونکہ پادشاہ بمنزلہ طبیب کے ہے اور مظلوم مانند بیمار کے اور مریض یہ چاہتا ہے کہ اپنا تمام احوال حکیم سے کہے

پس حکیم اگر ساری کیفیت کاہلی کی نہ سنے تو اُسکی بیماری کی حقیقت سے کسطرح واقف ہو اور بغیر دریافت کرنے آزار کے اور بدون سمجھنے مرض کے علاج کیونکر کر سکے ٭ بیت

تو حکیم اور میں بیمار ترا	دل کا احوال کہوں کیونکہ چھپا

نقل ٭ ایک روز کوئی شخص کسو بزرگ سے اپنا احوال کہتا تھا اُسنے گوش نہ کیا پھر کہنے لگا دھیان نہ دیا تیسری بار شورست اچھی طرح کہنے لگا اُنھوں نے جھنجھلاکے کہا کیوں میرا سر دکھاوے ہے یہ بولا کہ تم سر ہو میں درد کہاں لیجاؤں اُس عزیز کو یہ بات خوش آئی وہیں اُسکا کام کر دیا ٭ بیت

نام دولت سے کیا پیدا تو کر لطف و کرم	دی تجھے قدرت خدا نے تو گرون کو تھانب لے

نقل ٭ کسو پادشاہ نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کہتے ہیں ہر چیز کی زکوۃ ہے بھلا فرماؤ تو سلطنت کی کیا زکوۃ ہے جواب دیا کہ زکوۃ پادشاہی اور جہانداری کی یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم انصاف چاہے اور محتاج اپنی احتیاج اُسکے پاس لاوے تو خوب طرح سنے اور نرمی اور ملائمت سے پوچھے اور جواب درشت نہ دیوے اور غریبوں اور فقیروں سے بات کہنے میں غرور و غیرت نہ کرے کہ چھوٹوں سے ہمکلام ہونا خصلت بزرگوں کی ہے جیسے حضرت سلیمان درود خدا کا اُنپر باوجودیکہ مرتبہ نبوت کا رکھتے تھے اور ظاہر میں پادشاہ جن و انس کے تھے پر ایک ادنی چیونٹی کی بات سنتی تھی ٭ بیت

فقیروں پر نظر کرنی بڑھاوے ہے بڑاپے کو	سلیمان اُس حکومت پر تھے کرتے چیونٹی کی خاطر

حکایت ٭ کہتے ہیں کہ دار الملک چین میں ایک پادشاہ تھا عدل کے زیور سے آراستہ اور درخت اُسکی زندگی کا انصاف کے میوے سے پھلا ہوا ٭ بیت

عدالت سے اُسکی ستم ناپدید	خدا خوش رعیت کے تھی گھر میں عید

اتفاقاً ایکبارگی کچھ آفت اُنکی سماعت میں آئی اور گرانی کانوں میں پیدا ہوئی سلطنت کے کارباریوں کو اور امیروں کو حضور میں جمع کیا اور آپ ایسا زار زار روئے کہ جتنے روبرو حاضر تھے

اُنکا کلیجہ پھٹنے لگا اور پادشاہ کا یہ احوال دیکھکر رونے لگے اور اُنکی تسلّی کے لیے تدبیر کرنے لگے پادشاہ نے
فرمایا کہ شاید تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں اپنے کان بہرے ہونے کے سبب سے روتا ہوں سو غلط ہے
اسواسطے کہ مجھے یقین ہے کہ آخر حواسوں کی قوت میں خلل اور نقصان آویگا پس اُن سب میں سے
ایک چیز کے کم ہونے سے عقلمند آدمی کس خاطر غمگیں ہووے بلکہ رونا میرا اسواسطے ہے کہ اگر کوئی
مظلوم فریادی دروازے پر بارگاہ کے دُہائی دیوے اور آواز اُسکی فریاد کی میرے کان میں
نہ آوے وہ یونہیں محروم پھر جاوے تو میں خدا کے نزدیک پکڑا جاؤں پھر اُسوقت کیا عذر لاؤں
اب اس بات کی میں نے ایک فکر کی ہے ڈھنڈورا پھرا دو کہ آج سے کوئی شخص سواے فریادی کے
سُرخ پوشاک نہ پہنے تو میں اس نشان سے مظلوموں کو پہچان لیا کروں اور انصاف اُنکا دیا کروں بیت

دیں و دنیا کو اسی داد و دہش سے تو سنبھال	داد مظلوموں کی دے مطلب غریبوں کا نکال

اور اکثر ہوا ہے کہ ایک داد دینے سے اور مظلوم کی فریاد سننے سے عاقبت کے عذاب سے نجات
پائی ہے چنانچہ تواریخ میں یہ حکایت لکھی ہے کہ سلطان ملک سلجوقی ایک روز کنارے پر زندہ رود کے
شکار کھیلتا تھا آرام کی خاطر کسو باغ میں اُترا اُسکے ملازموں میں سے ایک چیلا کہ خرچ کی تنگی میں مبتلا
تھا ایک گانوں میں گھسا ایک گاے موٹی تازی دیکھی کہ ندی کے کنارے پر چر رہی ہے حکم کیا کہ
اسکو پکڑ لاؤ آخر حلال کیا اور اُسکا تھوڑا سا گوشت لیکر بھس تکّے لگانے لگا اس گاے کی کوئی بڑھیا
تھی کہ وجہ معیشت اسکی چار یتیموں سمیت اُسکے دودھ سے ہوتی تھی وہ جب اس احوال سے خبردار
ہوئی بیحواس ہو گئی اور لاٹھی ٹیکتی ہوئی چلی اور پل پر کہ پادشاہ کی سواری آنے کی وہی راہ تھی منتظر
بیٹھی ایکبارگی پادشاہ کی جلو کے لوگ نمود ہوے اور خود بھی آن پہونچے بڑھیا نے اُٹھکر جھپٹ لیسی
سلطان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی وہی غلام روبرو تھا اُسنے کوڑا اُٹھایا اور چاہا کہ اُس پیرزن کو مار
اور ڈانٹے پادشاہ نے کہا چھوڑ دے کہ بیچاری ظلم رسیدہ معلوم ہوتی ہے دیکھوں کہ فریاد اسکی

کیا ہے اور کسکے ہاتھ سے فریادی ہے پھر پیرزن کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اپنا احوال کہہ
اُس بڑھیا نے بموجب اسکے کہ دانا کہہ گئے ہیں ؎ مصرع ؎ مظلوم دلیر ہوتا ہے اور شوخ زبان
زبان کھولی اور بولی کہ اے پسر الپ ارسلان کے اگر انصاف میرا اس نہر رود کے پل پر نہ دیگا
قسم خدائے واحد کی بزرگی کی قیامت میں پل صراط کے سرے پر جب تلک اپنی داد نہ لے لونگی
دعوے کا ہاتھ تیرے دامن سے کوتاہ نہ کرونگی اب خوب اپنے دل میں غور کر کہ ان دونوں پل میں
کونسا پل اچھا معلوم ہوتا ہے **بیت**

آج تو انصاف اپنا اور میری داد دے		ہے یہی بہتر نہیں تو کل کو تجھسے لیوینگے

سلطان اس سخن کی ہیبت سے پیادہ ہوا اور بولا اے ماں میں ہرگز طاقت تیرے جواب کی
اُس پل پر نہیں رکھتا کہہ تجھپر کسنے ستم کیا ہے جو تیرا انصاف اُس سے ابھی دلوادوں بڑھیا
بولی اے ملک یہی غلام جو تیرے حضور میں تازیانہ عذاب کا مجھپر کھینچتا تھا اسی نے میری زندگانی
تلخ کردی ہے جس گاے کے شیر سے گزران میری اور میرے بچوں کی ہوتی تھی اور میں خاطر جمع سے
خدا کی بندگی کرتی تھی اسکو مار کر کباب کیے ملک شاہ نے فرمایا کہ اس غلام کو سیاست کریں اور عوض
ایک مادہ گاؤ کے ستر گائیں جو وجہ حلال سے خریدی تھیں اُسکو دیں بعد کتنی مدت کے سلطان نے
وفات پائی اور بڑھیا جب تلک جیتی تھی ایک روز آدھی رات کو بادشاہ کی قبر پر گئی اور نہایت عاجزی سے
ہاتھ اپنا قبلے کی طرف زمین پر رگڑا اور دعا مانگی کہ یا الٰہی یہ بندہ تیرا جو اس خاک کے نیچے دبا پڑا ہے
ایک وقت میں عاجز و ناچار ہوئی تھی اسنے باوجود عاجزی کے کہ مخلوق تھا مجھپر رحم کیا اس دم یہ تیری
درگاہ میں عاجز ہے تو اپنی قوت سے کہ خالق ہے اسکو بخش دے اُنھیں دنوں ایک مرد عابد نے ملک شاہ کو
خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا سے تمھیں کیسی بنی اُسنے جواب دیا کہ اگر دعا اُس پیرزن دادخواہ کی
میری فریاد کو نہ پہونچتی تو عذاب کے عقاب کے چنگل سے بچاو کسو طرح نظر نہ آتا تھا **ابیات**

کہا کہ راہ میں وہ پیرزن کھڑی ہو کر	اگر دعا کے سبب سے نہ لیتی ہاتھ پکڑ
مجھ کو تا مجھ پہ خدا اگر کرم سے نیک نظر	تو حال مجھسے گنہگار کا تھا سب سے بتر
دعا دی اُسنے مرا عدل اُسکو یاد آیا	دعا نے اُسکی در فیض مجھپہ کھلوایا

اور دوسرا قسم عدل کا یہ ہے کہ خدا کی متابعت کرے یعنی جو انصاف کرے اور داد دیوے لازم ہے کہ موافق حکم شریعت کے ہوا اور خوشی کے وقت اور غصے کی حالت میں حق کی بات کو نہ بھولے کیونکہ خدا کا حکم سب کے حکموں پر غالب ہے جو کوئی خدا کی فرمانبرداری نہ چھوڑیگا کوئی اُسکے امر سے گردن نہ موڑیگا ✦ بیت

سردار جس جگہ ہے دیا پادشاہ ہے	دروازے کا خدا کے وہ محکوم ہے بنا

نقل ہے کہ مامون کے عصر میں کسو نے کچھ گناہ کیا اور بھاگ گیا اُسکے بدلے اسکے بھائی کو پکڑ کا خلیفہ کے روبرو حاضر کیا حکم ہوا کہ اگر اپنے بھائی کو حاضر کرے تو چھوڑ دو نہیں تو اسکو قتل کرو اُس شخص نے عرض کی اے ملک اگر آپکا عامل چاہے کہ مجھے مار ڈالے اور تم اُسکو فرماں لکھو کہ فلانے کو چھوڑ دے بھلا وہ عامل چھوڑ دے یا مار ے پادشاہ نے کہا یہ کیا معنی البتہ مخلصی دے یہ سنکر اُسنے کہا میں بھی حکم اُس پادشاہ کا لایا ہوں جسکی عنایت سے پادشاہ ہوئے ہو اور اُسکا یہ حکم ہے کہ مجھے چھوڑ دو پوچھا تیرا حکم نامہ کہاں ہے بولا کہ میرے پاس یہ فرماں ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے کے گناہ کی عوض مت گرفتار کرو مامون سنکر کانپا اور رو دیا اور حکم کیا اسکو چھوڑ دو کہ حکم محکم اور فرماں گاڑھا لایا ہے جسکا یہ ترجمہ ہے کہ خبردار حکم خدا کا ہے اور وہ سب حاکموں میں نیک حاکم ہے ✦ رباعی

جو حکم خدا کا ہے وہ سب سے بڑا	مقدور نہیں کسو کو دم مارنے کا
وہ حکم جو اترا ہو خدا کے یاں سے	برعکس کرے اُسکے ہے کسکا پتا

حکایت ٭ کہتے ہیں کہ عمرو لیث نے کسو بیگناہ کو ایک غرض گو کے کہنے سے قید کیا اُسکی ما ایک عرضی لکھوا کر سر راہ آکر کھڑی ہوئی جوں پادشاہ وہاں پہونچا اُس پیرزن نے جلدی سے کاغذ کھولا تو اُسکے ہاتھ میں دیوے پادشاہ کی رانوں تلے گھوڑا جلد تھا اُسکی کھڑکھڑاہٹ سے بھڑکا عمرو لیث خفا ہوا فرمایا کہ اسکو ہانک دو اور آپ بڑھ گیا جب سواری پھری اُسنے وہاں کی تہائی مچائی پادشاہ نے پوچھا یہ ماجرا کون ہے لوگوں نے کہا کہ فلانے قیدی کی ماں ہے عمرو نے غصہ ہو کر مُنہ پھیر لیا اُسکی طرف دھیان نہ کیا اُس بڑھیا نے کہا اے ملک تیرا حکم میرے بے تقصیر بیٹے کے حق میں کیا ہوا ہے جھنجھلا کر بولا کہ سو چھڑیاں مار کر اُسکا مُنھ کالا کر گدھے پر سوار کر کے گرد شہر کے پھراویں اور منادی کریں کہ جو کوئی پادشاہی گنہگار ہو اُسکی یہی سزا ہے وہ عورت بولی یہ حکم تو کرتا ہے کہاں ہیں یہ حکم کرتا ہوں اُسنے کہا پس حکم خدا کا کہاں گیا کہ جو کچھ تو حکم چاہے سو کیے خدا سے نہیں ڈرتا اس بات کی ہیبت سے عمرو کانپنے لگا اور بیہوش ہو گیا بعد ایک دم کے سرت میں آیا اور فرمایا محبوس کو پنڈت خانے سے نکال لاؤ جب حضور میں آیا اپنے بدن کی خلعت پہنوائی اور اپنے خاصہ گھوڑے پر سوار کروایا اور حکم دیا کہ تمام بازار اور شہر میں پھراویں اور ڈھنڈورا دیں اور پکاریں کہ جو کچھ حکم خدا فرماوے عمرو لیث کون بلا ہے کہ برعکس اُسکے خیال میں لاوے ٭ **بیت**

وہی حاکم ہے اور ہم سب ہیں اُسکے حکم کے بندے	ہمارا کیا بھروسا ہے جو کچھ ہے حکم اُسکا ہے

تیسرا نظم عدل کا یہ ہے کہ اپنی نیت کو رعیت کے حق میں صاف کرے اور اُنکی خیر خواہی کی طرف دل کو مائل کرے اسواسطے کہ نیت پادشاہ ہر ایک بات میں بڑا اثر رکھتی ہے اگر عدل کی نیت کرے تو برکت اور آبادی کا پھل ملے اور اگر خدا نخواستہ برخلاف اُسکے پادشاہ کے دل میں آوے تو برکت سارے محصولوں سے اُٹھ جاوے اس سبب سے رعیت ویران ہو جاوے شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے خدا اُنکو بخشے اس مضمون کو نظم کیا ہے ٭ **ابیات**

گر قصد کہ ہو تری یہ نیت	جسمیں رہے چین سے رعیت
گر شاہ کے دل میں ٹک بدی آئے	تو کام جہاں کا بگڑ جائے

حکایت ؛ کہتے ہیں کہ قباد پادشاہ ایک روز شکار کو سوار ہوا تھا اتفاقاً اپنے لشکر سے جدا ہو گیا ٹھیک دوپہر ہوئی اور دھوپ کڑی پڑنے لگی پیاس سے گھبرایا اور چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں چھانوں یا کنواں تالاب ملے تو دم لوں اور پانی پیوں ایکبارگی دور سے کچھ گھر سا نظر آیا بے اختیار اُدھر گھوڑے کو دوڑایا جب پاس جا پہونچا ایک خیمہ پرانا دیکھا کہ لق و دق میدان میں کھڑا ہے اور ایک پیر زال اور اُسکی بیٹی اُسکے سائے میں بیٹھی ہے جب پادشاہ کو دیکھا وہ عورت پال سے باہر نکل آئی اور گھوڑے کی باگ پکڑ کے کہنے لگی کہ پوت ٹک دم لے لے یہ اُترا اور اُس ڈیرے میں جا کر بیٹھا وہیں ہاتھ منھ دھلا کر جو کچھ اُسکے گھر میں موجود تھا دسترخوان بچھا کر آگے دھر دیا قباد نے ایک نوالہ کھانا کھایا اور پانی پیا شکر خدا کا کیا جب پیٹ بھرا نیند آ گئی آرام فرمایا بعد دیر کے جب چونکا اور آنکھ کھلی دیکھے تو دن تھوڑا رہگیا ہے رات کو بھی وہیں رہگیا مغرب کے وقت ایک گاے میدان سے آئی اُس بڑھیا کی لڑکی نے اُسکو دوہا بہت سا دودھ ہوا پادشاہ دیکھکر حیران ہو رہا اور اپنے دل میں خیال کر کے کہنے لگا کہ آہا یہ لوگ صحرا میں ایسی واسطے رہتے ہیں اور بستی میں نہیں بستے کہ کوئی انکے بھید سے واقف اور مطلع نہووے اتنا شیر ہر روز انکو ایک مادہ گاؤ سے حاصل ہوتا ہے اگر ہفتے میں ایک روز بطریق خراج کے سرکار میں دیویں تو انکے مال میں کچھ خلل اور نقصان نہ آوے اور پادشاہی خزانے میں زیادتی ہو آج سے یہ نیت کرتا ہوں کہ جب شہر میں جاؤں یہ حکم سب پر جاری کروں اور دسواں حصہ انسے مقرر کروں رات کو کھا پی کر سو رہا جب صبح ہوئی وہی پیر زال کی بیٹی گاے کو دوہنے کو گئی تھوڑا سا دودھ بھی بس میں ہوا لڑکی دیکھکر گھبرائی اور ماں کے پاس دوڑی آئی کہ اماں جلدی خدا سے دعا مانگ کہ ہمارے

بادشاہ نے اپنی نیت ظالم پر رکھی تھا وسنکر متحیر ہوا اور دل میں دھیان کیا کہ اس نے یہ بات کیونکر معلوم کی آخر لڑکی سے پوچھا کہ بادشاہ کی بری نیت کو تو نے کیونکر دریافت کیا جواب دیا کہ ہماری گائے ہمیشہ مجر کو دھیر دودھ دیتی تھی آج اتناہی سا ہوا ہے اسواسطے میں نے سمجھا کہ جب مقتدر بادشاہ وقت کی نیت تبدیل ہوتی ہے حق تعالی برکت اٹھا لیتا ہے قباد نے کہا سچ کہتی ہے اور وہ نیت بد اپنے دل سے دور کر کے کہا کہ اب جا پھر وہ لڑکی گئی اور دوہنے لگی بہت سا دودھ ہوا تب اس کے نزدیک خوشی سے دوڑی آئی اور بولی شکر خدا کا بادشاہ کی نیت درست ہوئی دودھ آج اور دنوں سے زیادہ ہوا سچ ہے داناکہ گئے ہیں کہ بادشاہ عادل ہونے والے دل سے اور آفتاب روشن سے بہتر ہے چنانچہ شاہنامہ والا کہتا ہے ؛ ابیات

جو دنیا میں ہے ابر سے فیض عام	سو شاہوں کے منصوبہ پر ہے تمام
جو نیت بری ہووے سلطاں کی	تو عادت بگڑ جاے باراں کی
جو سلطاں عادل ہے تو غم نہ کھا	کہ عدل اسکا ہیگا سمیں سے بھلا

یہ اور ایسی ہے دوسری حکایت بہرام گور کی ہے ؛

حکایت ؛ ایک روز بہرام گور گرمی کے دنوں میں کہ نہایت لو چل رہی تھی اور زمیں و آسماں تپتا تھا اکیلا کسو باغ کے دروازے پر پہنچا ایک پیر مرد جو وہاں کا مالی تھا بیٹھا تھا بہرام نے کہا اے بوڑھے تیرے باغ میں انار ہے بولا ہاں ہے کہا ایک پیالہ اسکے شربت کا پیا چاہتا ہوں وہ باغ میں گھسا اور شتابی ایک قدح منہا منھ بھر کرلے آیا بہرام نے پی لیا اور پوچھا کہ اس باغ سے تمام سال میں تجھے کیا حاصل ہوتا ہے اسنے جواب دیا کہ تین سو دینار مجھے مل رہتے ہیں تب پوچھا کہ بادشاہ کے یہاں کیا مالگزاری کرتا ہے بولا کہ بادشاہ میوہ دار درختوں کا محصول ہمسے کچھ نہیں لیتا مگر جو زمیں جوتتے بوتے ہیں اسمیں سے عشر سرکار میں داخل کرتے ہیں بہرام نے دل میں کہا اور سوچ کیا

کہ ہمارے ملک میں ایسے بہت باغ ہیں اور بہ باڑی ہیں درخت بیشمار اگر باغوں کے پھلوں سے بھی وہ حاصل
مقرر کروں تو بہت روپے خزانے میں داخل ہوا کریں اور رعیت پر چندان ظلم و نقصان نہ آج کے
دن سے مقرر باغوں کا بھی محصول مقرر کرونگا یہ نیت دل میں پختہ کی پھر باغباں سے کہا کہ میری پیاس
خوب نہیں بجھی ایک جام اور بھی آب انار کا دے وہ باغباں گیا اور بڑی دیر میں ایک کٹورا لیکر آیا بہرام نے
پوچھا کہ اے پرانے پہلی بار تو گیا اور ترت لے آیا اب کی بار اتنی دیر کیوں لگائی اور پیالہ بھی خالی ہے
ویسا بھرپور نہیں لایا اس باغ والے نے نہ پہچانا کہ یہی پادشاہ ہے کہنے لگا کہ اے جواں اسمیں
میرا گناہ نہیں پادشاہ کی تقصیر ہے کہ اُسنے اسوقت اپنی نیت تبدیل کر کے ظلم کا خیال کیا ہے البتہ
برکت جاتی رہی اُس بار ایک انار سے اتنا عرق نکلا کہ کنارہ تک جام معمور ہو گیا تھا اس مرتبہ
دس انار اچھے اچھے چن چن کر میں نے نچوڑے ہیں پر اتنا ہی ہوا جو تو دیکھتا ہے اس بات کے
سُننے سے بہرام کو نہایت خوف خدا کا ہوا اور وہ خیال زیادہ طلبی کا جو دل میں کیا تھا استغفار
پڑھکر دور کیا اور باغباں سے کہا کہ تھوڑا سا اور دے تو خوب طرح پیوں اور تشنگی رفع کروں وہ
تیسری بار پھر باغ میں گھسا اور جلدی خوش و خرم باہر نکلا اور کٹورا چھلکتا ہوا آب انار کا لایا اور بہرام کے
ہاتھ میں دیا اور کہنے لگا اے سپاہی عجب صورت ہے کہ خدا کے فضل سے ہمارے پادشاہ نے
نیت ظلم کی جو کی تھی اُس سے باز آیا یہ دیکھ لے کہ اُسکی برکت فی الحال ظاہر ہوئی کہ پھر ایک انار سے
اتنا عرق نکلا بہرام نے سنکر اُس شخص سے کہا کہ میں ہی پادشاہ ہوں فی الواقع میں نے نیت
بدلی تھی لیکن اب توبہ کرتا ہوں پھر ایسا خیال ہرگز جی میں کبھو نہ لاؤنگا اے یار اب دیکھو تو
نہ وہ باغ ہے نہ بہرام ہے مگر اُس پادشاہ عادل کا نام ہے کہ آج تک یادگار رہ گیا ہے اس لیے
جو پادشاہ ہوتے جاویں اس نقل کو بجائے نصیحت کے سمجھیں اور نیت رعیت کی بہتری اور آبادی پر درست رکھیں بیت

کام اُسکے جو کچھ چاہے سو اللہ کرے		نیت کو درست اپنی جو شاہ کرے

پند: دانا کہتے ہیں کہ عدالت کی بزرگی سب سے زیادہ ہے اور ظلم کی بدی سب سے بدتر عدل کا فائدہ یہ ہے کہ ملک پر زوال نہیں آتا بلکہ روز بروز آباد ہوتا جاتا ہے اور اُسکی برکت سے خدا اور ملکوں کو بھی اُسی کے حکم کے تابع کر دیتا ہے اور خزانہ وافر ہوتا ہے اور شہر اور گانوں بستے ہیں اور برعکس اُسکے ظلم کا یہ پھل ملتا ہے کہ ملک قبضے سے نکلجاتا ہے اور اگر قدر قلیل رہ بھی جاتا ہے سو ویران ہوتا ہے اور خزانہ خالی ہو جاتا ہے: نقل: ہوشنگ جو بیٹا سیامک کا تھا اُسنے اپنے فرزند کو اتنی وصیتیں کیں کہ اے نورچشم ظلم کے جھنڈے اور ستم کے نشاں کو ہمیشہ سرنگوں رکھیو اور مظلوم کی آدھی رات کی آہ کے تیر سے اور غریب کی صبح کے نالے کے نیزے سے ڈرتا رہیو کہ بزرگوں نے کہا ہے: بیت

صبح ڈھیا کرے جو آہ کا وار	نکرے لاکھ تیر اور تلوار

ظلم اور ستم کا نتیجہ آخر دولت اور نعمت کو برباد کرتا ہے اور روپے کے واسطے کہ کسو سے اُسنے وفا نہیں کی اور مرنے کے وقت کسو کے ساتھ نہیں گیا رعیت کو خفا اور بیزار نکیجیو کیونکہ اسمیں ہرگز کچھ شبہہ نہیں کہ جس بادشاہ نے مال کی خاطر رعیت کے ساتھ بدسلوکی کی گویا اپنی سلطنت کی دیوار کی نیو کھودی: بیت

جو کوئی نگاہ رکھے رعیت کے مال پر	وہ چھت بناوے گویا کہ دیواریں کھود کر

دانا یہ باتیں واسطے پند و نصیحت کے لکھتے ہیں اور ناداں کہانی سمجھتے ہیں:

حکایت: ایک روز سلطان محمود نے اپنے ارکان دولت سے کہا کہ کوئی نہایت احمق اور بڑا بیوقوف تمام ملک میں سے تلاش کر کے میرے روبرو لاؤ امیر رخصت ہو کر باہر نکلے اور داناؤں اور خوش طبعوں کو چاروں طرف رخصت کیا اور کہدیا کہ ایسا آدمی ڈھونڈ ڈھونڈ کر کہیں سے پیدا کر دوے ہر ایک ملک اور شہر میں کھنڈ گئے اور اس بات کی سعی میں لگے رہے

اور پھر کسو سے پوچھنے لگے اس کھوج میں تھے کہ کسو درخت پر ایک آدمی نظر پڑا کہ جس شاخ پر
بیٹھا ہے اُسی ڈال کو جڑ سے کاٹ رہا ہے اور کلھاڑی مار رہا ہے اور یہ بات ناداں کے بھی خیال میں آتی ہے
کہ اگر وہ ٹہنا کٹ کر گرے تو وہ شیخ چلی اسی کے ساتھ پٹخنی کھاوے اور اسی دم دم نکلجاوے اُسے
اُس کام میں دیکھکر سبھوں نے متفق ہو کر ٹھہرایا کہ اس شخص سے زیادہ احمق جہان میں ملنا
مشکل ہے اسے کیونکر پکڑ کر پادشاہ کے پاس لے چلا چاہیے آخر اُسکی حماقت کا جو کچھ تماشا دیکھا
تھا حضور میں بیان کیا سلطان نے فرمایا کہ اس سے زیادہ بھی احمق دنیا میں ہوتا ہے سبھوں نے
التماس کیا کہ آپ زبان مبارک سے فرمائیے تو ہمکو یقین آوے سلطان محمود نے فرمایا کہ جو پادشاہ
یا حاکم ظلم و ستم سے اپنی رعیت کو حیران و پریشان کر کے ویران کرے مقرر ہے کہ وہ خود بھی ایسی حرکت
کے سبب سے خراب و تباہ ہوگا پس وہ اس سے بڑا احمق ہے

ابیات

رعیت گویا جڑ ہے سلطان شجر
تبر جڑ پہ اُس پیڑ کے مت لگا
کہ جب سست ہو جاوے بیخ درخت
کرے ظلم جو کوئی رعیت اُوپر

شجر جڑ کے باعث سے ہے بارور
کہ ٹہنی پہ جسکی تو ہیگا چڑھا
اُکھڑ جائے جڑ جب چلے باد سخت
وہ بے شبہہ کھووے ہے اپنی ہی جڑ

امانی میں خواجہ امام کی کہ اُسکو خطیب مدنی کہتے تھے مذکور ہے یہ نقل کہ سمرقند کے شہر میں
ایک ظالم حاکم تھا کہ تمام خلق اُسکے ظلم سے عذاب میں اور اُسکی بے انصافی سے پیچ و تاب میں
تھی جب نالش اُسکے جور و جفا کی خدا کی درگاہ میں بہت ہوئی اور کشتی اُسکی اعمال بد سے بھر گئی
ایک دن آدھی رات کو اپنے محل میں تخت پر سوتا تھا ایک تیر آسمانی غیب سے آیا اور اُسکے
سینے پر ایسا لگا کہ دو سار ہو کر پیٹھ کی طرف سے نکلا اور اُسکی جاں ہوا ہو گئی جب صبح ہوئی
خواصوں نے دیکھا تیر کو کھینچ کر نکالا دیکھیں تو اُسپر لکھا ہے زبان عربی میں جسکے اس بیت میں معنی ہیں

ہیں ظالموں کے لیے یاں دھرے غضب کے تیر
سوئی کی طرح لگیں ہیں جگر میں جلد کو چیر

اور کسو بزرگ نے اسکے مضموں کو فارسی میں نظم کیا ہے جسکا یہ مدعا ہے ✤ قطعہ

تو نے کمانِ ظلم میں تیرِ جفا رکھا
کو تیر تیز ایسے ہے فولاد کی زرہ
ڈر نا دلوں سے اُنکے جو ہیں بیٹھے گھات میں
پیکاں آہ توڑے پہاڑ ایک بات میں

اور حکیم خاقانی نے بھی کیا خوب کہا ہے جسکا یہ ترجمہ ہے ✤

ڈر اُس مظلوم سے جو جاگتا ہے اور روتا ہے
ڈر اُن بیچاروں سے جو رات چھوڑیں تیر آہوں کے
تو غافل سوتا ہے سرہانے پہونچا آنسو کا نالا
کہ دکھیا کا کرے ہے کام زیادہ تیر او رپھالا

شکر خدا کا کہ ذات شاہزادہ صاحب اقبال کی جو پسند کیا ہوا درگاہ ذوالجلال کا ہے اس لائق ہے کہ خلق اللہ اترا وے اور شہر کے مرد بلکہ رہنے والے تمام خراسان کے کمال خوشی و خرمی سے فخر کریں کہ شور اُنکے عدل کا اور آوازہ اُنکی بندگی اور عقل کا تمام جہان میں پہونچا ہے اور شفقت اور مرحمت نے اُنکی تمام عالم کو گھیر لیا ہے جو دانا اور خیر خواہ ہیں سو اُنکی سلطنت پائدار سے خوشحال اور مالا مال ہیں اور جو نادان اور بدخواہ ہیں وہ دبدبے سے اُنکی شمشیر آبدار کے ندھال اور پائمال ہیں ✤ قطعہ

ابوالحسن شہنشہ سے مدد ہے دین و دولت کو
زمیں ہے عدل سے آباد دنیا فیض سے ہے خوش
عجب وہ شاہ دیں پرور ہے جو فرمان طالع پر
ہمیشہ جب تلک گردوں رہے گردان زمانے میں
کہ جھنڈا مرتبے کا اُسکے بالا سے فلک پہونچا
رعیت شاد ملک آباد خلق آسودہ ہے ہر جا
لکھا ہے کاتب قدرت نے طغرا اُسکی رفعت کا
رہے گردوں ترے تابع زمانہ ہو ترا بعد وا

سولھواں باب عفو میں

یعنی قدرت اور قابو پاکر گناہگاروں کا گناہ معاف کرے اور اس خصلت کی خوبی

اور بزرگی ساری نیک خصلتوں سے زیادہ ہے چنانچہ خدائے پاک اور برتر اپنے دوست کو فرماتا ہے کہ اے محمد گناہ بخشنے کی خصلت پکڑ اور اُسپر عمل کر جو شخص تیرا گناہ کرے تو درگذر کر اور اُسکے عوض کا قصد مت کر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جس وقت فتح مکہ کی کی جتنے سردار قریش کے تھے اور انھوں نے ہزاروں طرح کی ایذائیں حضرت کو پہنچائیں تھیں سب دل میں ڈرے کہ اب دیکھیے محمد ہمسے کیا سلوک کرے لیکن آپ نے خلق محمدی کے سبب سے سب کو آزاد کیا اور فرمایا کہ تم مختار ہو میں نے تمھاری شوخیاں معاف کیں باوجود غالب ہونے اور مقدور کے ہرگز مزاحمت نہ کی وے سب اس مروت اور جان بخشی سے خوش ہوئے ؛ قطعہ

بہانہ جوئی کی عادت کبھو کرینگے نہ ہم	سوائے نیکی کے کچھ اپنی خو کرینگے نہ ہم
جو اور ساتھ ہمارے بدی کریں تو کریں	پر اُنکے ساتھ بدی ایک مو کرینگے نہ ہم

پند ؛ حکیموں کا قول ہے کہ ہر چند گناہ بڑا ہو لیکن بزرگی معاف کرنے والے کی بڑی ہے

نقل ؛ ایک گناہگار عرب کے پادشاہ کے روبرو آیا باوجودیکہ اُسنے کتنے آدمی پادشاہ کے نزدیکی رشتہ والوں کو مار ڈالا تھا ملک نے اُس سے کہا تجھسے ایسے ایسے گناہ میرے حق میں صادر ہوئے ہیں تسپر یہ جرأت ہے کہ میرے حضور بے محابا چلا آیا یہ کیا معنے غضب سلطانی سے تجھے خوف نہ آیا اُسنے جواب دیا کہ میری اس دلیری کا اور اپنی تقصیروں سے نہ ڈرنے کا یہ باعث ہے کہ جانتا ہوں ہر چند میں نے گناہ بڑے کیے ہیں لیکن آپ کے عفو کا درجہ اُنسے زیادہ ہے پادشاہ کو اُسکا قول پسند آیا تقصیر معاف کرکے اپنی توجہ اور عنایت سے سرفراز فرمایا ایک امیر نے سوال کیا کہ ایسا دشمن اس طرح آپ سے قابو میں آیا اور اُسنے فقط باتوں میں آپ کو بہلایا قبلہ عالم نے انتقام نہ لیا بلکہ اُسکی شوخیوں اور تقصیروں کو معاف فرمایا یہ کیا مزاج مبارک میں آیا جواب دیا کہ اُسکے عذر پر میں فریفتہ نہیں ہوا بلکہ اپنے دل میں غور کی کہ اگر اُس سے عوض لوں

البتہ دل میرا خوش ہوگا اور تسلی پاویگا لیکن اگر معاف کرونگا تو اُسکا جی شاد ہوگا اور مجھے دنیا میں نیکنامی اور عاقبت میں اُسکی جان بخشی کے سبب صواب عظیم حاصل ہوگا اور یہ بھی جانتا ہوں **مصرع** بخش دینے میں جو لذت ہے سو بدلے میں نہیں

نقل ماموں جو خلیفہ بغداد کا تھا اُسکا یہ قول ہے کہ اگر آدمیوں کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ مجھے گناہ کے معاف کرنے میں کیسی لذت ملتی ہے تو میرے حضور میں کوئی سوائے گناہ کے کچھ اور تحفہ نہ لاوے **قطعہ**

یہ نکتہ سمجھے جو مجرم کہ دمبدم مجکو	گناہ بخشنی میں لذت ملیگی لاثانی
گناہ کرتا ہے ہر گھڑی وہ قصداً بھی	ہمیشہ لاتا رہے اپنا عذر نادانی

پند ایکروز سکندر نے ارسطو سے پوچھا کہ فلانے گناہگار کے حق میں کیا صلاح دیتا ہے عرض کی جہاں پناہ اگر کوئی گناہ نہ کرتا تو عفو کے ثواب سے کہ وہ بڑی چیز ہے دنیا میں کوئی واقف نہوتا پس گناہ عفو کا آئینہ ہے اور گنہگار اس صفت کا روشن کرنیوالا اب لازم یہ ہے کہ اُسکی تقصیر معاف کرنے سے اس صفت کو ظاہر کیجیے **بیت**

گناہ عفو کی ہے آرسی سمجھ اے شیخ	حقیر دیکھ نہ ہرگز گناہگاروں کو

تب سکندر نے پوچھا کہ گناہ کو معاف کرنا کس حالت میں بہتر ہے جواب دیا جب اپنے جیکیں مقدور ہو یا جب حریف پر فتح پاوے تو اس عفو کے سبب سے گویا شکرگذاری ظفر کی کرنے میں آوے

حکایت تواریخ میں لکھا ہے کہ کسو پادشاہ نے اپنے مخالف پر فتح پائی اور وہ پکڑا گیا ملک نے پوچھا کہ اسوقت تیری کیا حالت ہے اور اب تجھسے کیا ہو سکتا ہے بولا کہ خدا عفو کو دوست رکھتا ہے اور تمھیں فتح کی خواہش تھی سو اب اللہ نے تمھاری آرزو تمھیں دی لازم ہے کہ تم بھی خدا کی خوشی بجالاؤ اور معاف کرو ملک کو یہ نکتہ نہایت پسند آیا اور

اُسے وہیں آزاد فرمایا پس سب پادشاہوں کو ضرور ہے کہ تقصیرواروں کے انتقام کی کدورت سے
اپنے دل کے آئینے کو صاف رکھیں اور اپنی قوت و قدرت کے شکرانے میں گناہگار کو کہ وہ
اپنے گناہ سے شرمندہ ہو رہا ہے عفو کی خوشخبری سے اُسکا دل شاد کریں کیونکہ جو پادشاہ
صاحب عزم اور عالی ہمت اگلے زمانے میں ہوئے ہیں اُنکی یہی خصلت تھی ✣ بیت

ازل کے روز سے ہے آج تک یہی دستور	بڑے تو بخشتے اور چھوٹے کرتے آئے قصور

حکایت ✣ کسی پادشاہ کے ایک بڑے مقرب نے ایسا گناہ کیا تھا کہ اُسکے
باعث بڑی خفگی اور غصے میں پڑا ایک روز اُس ملک نے اُسکے حق میں کسی اپنے خواص سے
مصلحت کی کہ اُس تقصیروار کو کیا کیا چاہیے اُس شخص نے التماس کیا کہ اگر میں اس وقت
پادشاہ کی جگہہ ہوتا تو خوب تنبیہ کرتا اور سزا دیتا پادشاہ نے فرمایا واقعی تو تو میرے برابر نہیں
پس مجھے لازم ہے کہ تیرے برخلاف عمل میں لاؤں خیر میں نے اُسکی تقصیر معاف کی اگرچہ
اسکا گناہ بڑا تھا پر عفو کرنا مجھے بہت بہتر معلوم ہوتا ہے ✣ بیت

زیر دستوں سے گنہ گر ہو بڑا	بخشنا پر ہے بزرگوں سے بھلا

اِسواسطے ہر ایک انسان کو ضرور ہے کہ اپنے گناہوں کو جو اُس سے سرزد ہوتے ہیں
نگاہ کرے اور منصف ہو کر سمجھے کہ میں بھی تقصیروار ہوں اور خدا کی بخشش کا امیدوار ہوں
پس ایسی حالت میں اپنا بھی عفو گناہگار سے دریغ نہ رکھے تو یقین ہے کہ کریم بھی اُسپر رحم
کرے اور اُسکے گناہوں کو معاف فرماوے ✣ بیت

اگر امید ہے تجھکو خدا کی بخشش کی	تو تو بھی لطف و کرم سے گناہ سب کا بخش

حکایت ✣ کہتے ہیں کہ ایک پادشاہ نے کسی کو خدمت پر بھیجا اُس سے کوئی ایسی
حرکت ناپسندیدہ واقع ہوئی کہ پادشاہ کو نہایت بدزیب معلوم ہوئی اُسے اُس کام سے

تغیر کرکے حکم کیا کہ اُسے نظر بند کرکے حضور اعلیٰ میں روانہ کریں جب وہ قید ہو کر آیا پادشاہ نے نہایت عتاب فرمایا وہ بیچارہ بولا جہاں پناہ اپنے دل میں ٹک غور فرمایئے کہ کل کو آپ کی بھی خاطر یہی دل دھڑا ہے اور اسی طرح روز قیامت میں خدا کے عتاب و خطاب میں گرفتار ہوجیے گا پس اُس وقت تمھاری مخلصی کی صورت کس طرح ہوگی اور کس بات کی تمنا دل میں لاؤ گے پادشاہ نے کہا خدا کے عفو کا امیدوار ہونگا کہ اُسی کی بخشش سے پناہ ہے تب وُسنے التماس کیا کہ اب میرے بھی حق میں عفو فرماؤ تو اسکا عوض وہاں پاؤ اس لیے کہ خدا کے عفو کا سبب پادشاہوں کا عفو ہے بیت

میں تیرا گنہگار ہوں اللہ کا ہے تو	گر عفو کرے تو تو خدا تجھکو بھی بخشے

پادشاہ اُسکا یہ عذر معقول سنکر بہت خوش ہوا اُسکی تقصیر معاف کی اور سرفراز کیا پھر اُسی عہدہ پر بحال کرکے بھیجا ابیات

گناہ بخشنا انسان کو نیک خصلت ہے	مزاج عفو کا رکھنا بڑی ہی دولت ہے
کہ نور عفو سے دل سارا ہوتا ہے روشن	اور اُسکی یاد سے سینہ بھی ہوتا ہے گلشن
خدا کی ریجھ گنہگاروں کا ہے عفو گناہ	جو چیز چاہے ہے خدا دل سے تو بھی اسکو چاہ

سب جگہ عفو خوشنما ہے لیکن گناہ شرعی میں ہرگز عفو کرنا درست اور لازم نہیں بلکہ اُس محل میں قہر و غضب کو کام فرماوے تو وہ اُس کام سے باز آوے قطعہ

جو اُس گناہ کی تعزیر شرع کی حد ہے	تو اسمیں کرتا توقف ذرا بہت بد ہے
گناہ جیسا ہو تنبیہ اُسکی واجب ہے	کہ حکم شرع کا گویا سکندری حد ہے

سترھواں باب حلم میں

خدا کے اخلاق میں سے ایک خلق حلم بھی ہے چنانچہ خدا آپ فرماتا ہے کہ تحقیق اللہ غفور اور حلیم ہے یعنی بہت بخشنے والا اور بردبار ہے سو یہ نیک صفت نبیوں اور ولیوں کو عطا کی ہے

تو اُسکی قوت سے حلم کا پانی لیکر غضب کی آگ کو کہ وہ جلانے والی خانۂ ایمان کی اور ہراول لشکر شیطان علیہ اللعن کی ہے بجھاویں اور اسباب اپنے دین کا بچاویں حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص غضب اور خشم کی حالت میں اپنے تئیں سنبھال رکھے اور نفس امّارہ کو غالب نہونے دے وہی مرد بڑا صاحب ایمان اور دیندار ہے + بیت

نہیں وہ مرد جو زور آور و قوی دل ہے	جو کوئی غصے کو مارے وہ مرد کامل ہے

اور انجیل میں بھی یہ ذکر ہے کہ پادشاہوں کو واجب اور لازم ہے کہ اپنے نفس سرکش کو عبادت اور ریاضت کے زور سے غریب اور فرماں بردار بناویں اور آپ اُسپر حاکم رہیں اور باوجود قدرت سلطنت کے اگر کوئی ایسی بات سنیں یا ایسی حرکت دیکھیں جو خلاف اُنکی مرضی کے ہو تو جلدی غصے میں نہ آجاویں بلکہ غور فرماویں کہ سب خدا کے بندے اُنکے زیردست اور محکوم ہیں پس اگر خشم زیردست حلم کا اور غضب محکوم بردباری کا نہووے تو ہر ایک قول و فعل پر غضب فرماویں آخر ڈر کے مارے رعیت اور نوکر چاکر جدا ہو کر بھاگ جاویں اور دوسرے پادشاہ عادل کے سائے میں پناہ لیں اور اُس ملک کو بے رونق اور ویران کر دیں کسو نے کیا خوب کہا ہے ابیات

بُردباری ہی عقل کا ساماں ہے	ہو نہ جسکو حلم وہ حیواں ہے
حلم سے شیطاں بھی ہوتا ہے بند	قید کو غصے کی ہیگا وہ کمند

اور مرد حلیم اُسکو کہتے ہیں کہ اگر دریا غضب کا یہانتک اُٹھے کہ اپنے زور سے اونچے پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے پر اُسکی طبیعت میں تفاوت نہ کر سکے اور آگ غصے کی کتنی ہی بھڑکے لیکن اُسکے مزاج کو گرم نہ کرنے پاوے سو یہ صورت بدون حلم کی مدد اور بردباری کی پشتی کے ہو نہیں سکتی نہیں تو کوئی حاکم رعیت کی گفتگو کو اپنے شعور اور حوصلے کے موافق ہر کوئی کرتا ہے نہ سن سکے پس پادشاہ کو عادل تب کہا چاہیے کہ حلم کی خو کرے اور اُسکے زور اور قوت سے

جز غصے کی جو تمام عالم کو جلا مارے اُکھاڑ ڈالے ÷ ابیات

حلم جب آوے غضب تب ہووے زیر	بردباری ہے غضب پر تیغ دلیر
بُردباری عقل کی اڑواڑ ہے	حلم جس میں نہیں سدا وہ خوار ہے

نقل ÷ سلیمان زرکوب یہ نقل کرتا ہے کہ میں ایک روز مامون خلیفہ کے حضور میں بیٹھا تھا ایک تختی یاقوت سرخ کی میں نے دیکھی کہ طول اُسکا چار انگشت اور عرض دو انگشت کا تھا تیز رنگت اور آبداری ایسی پائی تھی کہ مانند زہرہ کے چمکتی اور مشتری کی طرح دمکتی تھی اور اُسکی چھوٹ* سے تمام مکان روشن ہو رہا تھا ایک زرگر کو حکم کیا کہ انگوٹھی بنا کر اس نگ کو اُسپر سوار کر دے سنار نے وہ لعل لے لیا اور رخصت ہوا اتفاقاً دوسرے روز بھی میں حاضر تھا کہ پادشاہ نے اُس یاقوت کو یاد کر کے سادہ کار کو طلب فرمایا جب وہ آیا تو عجب اُسکا احوال تھا کہ رعشے سے بید کے مانند کانپتا اور بے حواس ہو رہا تھا خلیفہ نے اُسکی طرف دیکھکر خطاب کیا کہ یہ تیری کیا صورت ہے وہ بولا کہ جاں کی اماں پاؤں تو سارا احوال کہہ سناؤں فرمایا میں نے اماں دی تب اُس سنار نے نگینہ نکالا چار ٹکڑے ہو گیا تھا عرض کرنے لگا کہ اے پادشاہ وقت کے میں نے چھاپ بنائی جب چاہا کہ اسکو اُسکے گھر میں کسوں ہاتھ سے چھوٹ کر نہائی پر گرا چار پارہ ہو گیا یہ سُنکر پادشاہ نے مطلق تیوری نہ چڑھائی بلکہ مسکرا کر فرمایا کہ جا ان چاروں ٹکڑوں کی چار انگوٹھیاں بنا لا تیرا کیا گناہ ہے پس یہ بات کہنے میں آتی ہے مگر عمل میں ایسے ہی پادشاہ عادل اور حلیم لاتے ہیں واقعی کمال تحمل اور بردباری کو کام فرمایا ابیات

جو پوچھو حلم بھی پونجی کمال کی ہیگی	اُسی سے زیادتی جاہ و جلال کی ہیگی
مجلس کے دل کی خوشی حلم نے بڑھائی ہے	شکستہ دل کی گویا حلم مومیائی ہے

* اس لفظ کو بعض آدمی جوت کی جگہ جسکے معنی روشنی اور چمک کے ہیں بولا کرتے ہیں ۱۲

پند ٭ نوشیرواں عادل نے بزرجمہر* حکیم سے سوال کیا کہ حلم کیا ہے جواب دیا کہ اخلاق کے عنواں کا نمک ہے اگر اسکے حرفوں کو اُلٹے تو ملح ہوتا ہے اور ملح لون کو کہتے ہیں پس اگر انساں میں سب خلق ہو ویں اور حلم نہو تو ایسا ہے جیسے طرح بطرح کے کھانے تکلف سے پکے لیکن نمک نہیں پڑا تو سب پھیکے ہیں تب کسریٰ نے پوچھا کہ نشاں حلم کا کیا ہے حکیم نے کہا اسکی تین علامتیں ہیں ایک یہ کہ اگر کوئی ترش روئی یا سخت گوئی سے کچھ کڑوی بات کہے تو اُسکا جواب شیریں زبانی اور ملائمت سے دیوے اور اگر وہ بُری حرکت کرے تو اُسکے بدلے یہ نیکی کرے ٭ **ابیات**

تجھسے کہتا ہوں ہے وہ مرد حلیم	زہر کے بدلے جو شکر دیوے
کم نہ ہووے پھلے درخت سے جو	ڈھیلا مارے اُسے ثمر دیوے
جو جگر کو تراشے کرکے ستم	کھاں کی طرح اُسکو زر دیوے
حلم کا نکتہ سیکھ سیپی سے	سر کو جو کاٹے وہ گہر دیوے

دوسری پہچان یہ ہے کہ جاں غصے کے غلبے اور غضب کی زیادتی ہیں چپکا ہو رہے یہ پکی دلیل ہے کہ حلم اور بردباری اُسکے دل اور جاں پر غالب ہے اور جو درویش خداپرست ہیں وے اپنے نفس امّارہ کو اسی روش سے محکوم کرتے ہیں اور آپ اُسپر حاکم بنتے ہیں تیسری یہ نشانی ہے کہ باوجود ایسے گناہ کے کہ وہ لائق سیاست کے ہے غصے کو کام نفرماوے **روایت** ہے کہ ایک روز نبوت کے باغ کا بوٹا اور ولایت کے دریا کا گوہر بے بہا نور چشم نبی اور ولی کا خیر النسا کے دل کا چین یعنی حضرت امام حسین درود اور سلام خدا کا اُنپر ایک دن دسترخواں پر بیٹھے تھے اور بہت سے رئیس اور سردار عرب کے حاضر تھے نعمتیں

* بزرجمہر معرب ہے بزرگ مہر کا ۱۱

ہر ایک قسم کی چنی جاتی تھیں اسمیں ایک غلام امام علیہ السلام کا کاسہ آش کا گرماگرم بھرا ہوا مجلس میں لایا پانوں اسکا لڑکھڑایا وہ جام دونوں جہاں کے شہزادے اور اُمت کے خداوند یعنی امام حسین کے سر پر گرا اور تمام آش رخسارۂ مبارک پر پڑی حضرت نے ادب دینے کی نگاہ سے نوشہزادہ پیغمبر کی اوس طرف دیکھا مارے خوف کے اُسکی جان نکل گئی ہوش و حواس باختہ ہوا بدن تھرتھرانے لگا بے اختیار اُسکی زبان پر یہ آیت کلام اللہ کی جاری ہوئی کہنے لگا وے لوگ جو پی جاتے ہیں غصے کو اتنا سنکر حضرت امیر المومنین امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ غصہ کو میں نے دل سے دور کیا پھر وہ بولا کہ جو شخص معاف کرتے ہیں گناہ انسان کا آپ نے فرمایا کہ میں نے عفو کیا پھر اُس نے باقی آیت پڑھی کہ اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو حضرت نے حکم کیا کہ میں نے خدا کی راہ سے تجھے آزاد کیا اور تیری خوراک اور پوشاک ساری عمر کی اپنے اوپر قبول کی ۔ قطعہ

سخن نیکی بدی کے ہی کرتے پیدا جو صفتے ہیں ۔ طبیعت میں نیا کی جو دور سے گزرتے ہیں
جو لوگ صاحب خلق اور طالب حق ہیں ۔ بدی کے بدلے ہمیشہ وہ نیکی کرتے ہیں

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے سلام اللہ علیہ کا ایک حواری نے جو حضرت کے مصاحب تھے سوال کیا کہ سب باتوں میں مشکل اور بہت دشوار کیا ہے فرمایا کہ خشم خدائے تعالیٰ کا تب اوس نے پوچھا کہ غضب الٰہی سے پناہ اور چھٹکارا کس کام کرنے سے ہو سکے گا کہا کہ اپنے غصے اور خشم کو مارے چنانچہ مولوی جلال الدین رومی نے اس حکایت کو اپنی مثنوی میں نظم کیا ہے ۔ ابیات

پوچھا عیسیٰ سے ایک دانا نے ۔ کیا ہے دنیا میں سخت تر سب سے
بولے اسے یار ہے وہ خشم خدا ۔ جس سے دوزخ بھی کانپے ہے ہر سا
کہا اس سے بچاؤ کیونکر ہو ۔ بولے غصے کے وقت غصہ نہ

ترک کر خشم و حرص و شہوت کو ۔۔۔ ہے یہی مردی اور رسول کی خو

مگر یہ واجب نہیں کہ سب جگہہ حلم ہی کو کام فرماوے بہت جگہہ ایسی ہیں کہ انہیں حلم سے
غضب بہتر ہے اس لیے کہ اگر اپنے لالچ یا غرور کے واسطے خشم کرے تو بیجا اور بد نما ہے
اور اگر دیں کی استواری اور شرع کی مددگاری کی خاطر غضب میں آوے تو بجا اور خوشنما ہے
مثلاً اگر کوئی ایسا گناہ کرے کہ شرع کے نزدیک اور عقل کے موافق اور ظاہر میں اسکا عفو کرنا
درست نہیں اور اسوقت یہ حلم کو جگہہ دے تو سب کے نزدیک الزام پاویگا اور اسپر حرف آویگا پس
قاعدہ اہل دین و دولت کا اور صاحب عقل و مروت کا یہ ہے کہ حلم و غضب پر ہر ایک موقع میں
عمل نہ کرے بلکہ جہاں حلم درکار ہو حلم کرے اور جہاں غضب لائق ہو غضب فرماوے ۔ بیت

نرمی و گرمی ہیں دونوں سازوار ۔۔۔ گل کہیں بن اور کہیں ہو جا تو خار

تاج گنج کے روضے* کی تعریف

جو مولوی غلام امام شہید تخلص نے اپنی کتاب انشاے بہار بے خزاں میں لکھی ہے

آج قلم کا دماغ پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے۔ کاغذ کا صفحہ آنکھ کی سفیدی کی طرح منور ہے۔ نظر کا ڈورا رگِ گل کے طور پر رنگیں ہے۔ نگاہ کا رشتہ گلدستے کے مانند بہاریں ہے کس واسطے کہ مجھے ایک باغ اور مکاں کی صفت لکھنی منظور ہے۔ جسکی سیر سے چشمِ مردم میں نور ہے۔ اسکے صحن اور دالاں میں خدا کی قدرت کا گل کھلا ہے۔ چمن اور میداں میں صانع کی صفت کا تماشا ہے۔ وہ کون مکاں اور کیسا گلستاں جو شاہ جہان ایسے* پادشاہِ عالیجاہ کا قیام گاہ ہے۔ کون قصر اور کیسا ایواں جو جناب عالیہ پادشاہ بیگم کا آرامگاہ ہے۔ جس جگہ یہ دونوں آفتاب ماہتاب سوتے ہیں۔ چاند سورج دن رات اُس زمیں کے نثار ہوتے ہیں تاج بی بی کا روضہ

* اس روضے میں شہاب الدین محمد شاہ جہاں پادشاہ اور اسکی چہیتی بی بی ارجمند بانو بیگم مخاطبہ بہ نواب ممتاز محل عرف تاج بی بی کی قبر ہے یہ بیگم یمین الدولہ آصف خاں کی بیٹی تھی جو نور جہاں بیگم کا حقیقی بھائی تھا اور محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر پادشاہ اسی بیگم کے بطن سے تھا ۱۲ * یہاں شاہ جہاں ایسے کی جگہ شاہ جہاں جیسے بولنا فصیح ہے ۱۲

جہاں میں مشہور ہے۔ اور ہر چمن اُس کلاجنت کی خوشبو سے معمور ہے۔ اکبر آباد کیا بلکہ سارے ہندوستان کو
اس مکان سے عزت ہوئی ہے۔ ہندوستان کیا بلکہ تمام روئے زمین کو اس سے زینت ہوئی ہے
اس چمن کی ہوا نے جو کلیوں کی بو باس سے خیال کے دماغ کو معطر کر دیا۔ تو باغ کی فضا نے نگاہ کے
دامن کو گلچیں کے دامن کی طرح پھولوں سے بھر دیا۔ سبحان اللہ کیا روضہ ہے کہ رضواں جسکے لطف
اور لطافت سے راضی اور خوشنود ہے۔ بارک اللہ کیا باغ ہے جسمیں بہشت کی ہر نعمت موجود ہے
سورج اس باغ کا ایک زرد آلو ہے۔ چاند اس چمن کا گل خوشبو ہے۔ پہلے دروازے کی بلندی دیکھئے کہ
جو آسمان گردن اور سر اُٹھائے۔ تو اسکو آفتاب کی پگڑی سنبھالنی دشوار ہو جائے۔ دونوں بازو کے
سرے سے محراب کی چوٹی تک کلام مجید کا سورہ چوب قلم سے جو لکھا ہے۔ عقل اُس طلسمات سے
حیران ہے کہ ہر حرف جیسا نزدیک سے نظر آتا ہے ویسا ہی دور سے دکھائی دیتا ہے۔ اس فرق کے
امبصر انصاف سے دیکھیں کہ یہ بات کیسی مشکل اور کس طرح کی تقسیم کامل ہے۔ سنگ مرمر پر
سنگ موسیٰ کی پچی کاری کیسی۔ یا آنکھ کی سفیدی پر پتلیوں کی سیاہی کی نمود اری۔ حرف ہیں یا
کافور کے قرص پر مشک کے دانے پڑے ہیں۔ لفظ ہیں یا ہیرے کی تختی پر نیلم کے نگینے جڑے
ہیں۔ مینار آسمان کی طرف تعجب کا ہاتھ اُٹھائے ہے کہ یہ خم دیکھیے۔ اور اس بارگاہ کے ساتھ
ہمسری کا دعویٰ اور دم دیکھیے محراب کا خم ابرو سے اشارہ کر رہا ہے کہ اندر جا کر ذرا بہار کا عالم
دیکھیے۔ نہیں نہیں غلطی ہوئی مجھ سے بلکہ محراب کا اشارہ یہ ہے کہ پہلے حواس کو یہاں طاق پہ
رکھ جائیے۔ تب آگے قدم بڑھائیے۔ پس جو دو قدم چشمک لانگیز کی غرمت ہوئی تو ادھر عقل
اور حکمت رخصت ہوئی۔ سیر سے سیر ہوتا تو نگاہ کے ہاتھ ہے۔ لیکن حیرت یہاں ہر قدم کے
ساتھ ہے۔ سب کے پہلے بہار کے علمدار بڑی شوکت اور شان کے ساتھ نظر پڑتے ہیں۔ یعنی
دو رویہ سرو کے درخت نیک بخت جوانوں کی طرح حسن کے جوبن سے اکڑتے ہیں۔ زمرد کے

جھاڑ کی تو کیا حقیقت ہے جو اسکے ساتھ تشبیہ دوں مگر ہاں لکھوں تو یوں لکھوں کہ اچھے اچھے سبز پوش
ہر قطار میں کھڑے ہو کر ناز و انداز سے انگڑائیاں لے رہے ہیں یا غلمان بہشت سے آ کر
آسماں کو اس باغ کی خوبیوں کی خبر دے رہے ہیں نشو و نما جو ہر چیز کو بڑھاتی ہے شاید سرو کے
ہی لباس میں کمر بستہ یہاں آتی ہے یا آب و ہوا کی لطافت سے سرو کے پردے میں آپ ہی
بڑھتی جاتی ہے - دونوں قطاروں کے درمیاں جو ایک حوض زمین دوز اور طویل ہے - گویا نہر
سلسبیل ہے - صاف پانی سے بھرا ہوا ہے اسمیں ہر سرو کے مقابل ایک ایک فوارہ چھوٹ رہا ہے
اُدھر سرو نے زمرد کے فوارے کا نقشہ اڑا لیا اِدھر پانی کے فوارے نے ہیرے کو پانی کر کے
بہا دیا لب اسکے ایک مربع حوض جو بہت ستھرا ہے نہایت خوبصورت اور خوشنما ہے آئینہ اسے
دیکھ حیرت میں آتا ہے نگاہ کا قدم پھسلا جاتا ہے بہشت کی نہر اسکا خزانہ ہے - آئینہ اسکا
آبدار خانہ ہے - بلکہ آئینے میں یہ روانی کہاں - اور وہ موجوں کی سلسلہ جنبانی کہاں - پانی اسکا
دودھ سے زیادہ مصفا ہے برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے چونہ جو شیر خشت ہو جاوے تو روا ہے -
بیچوں بیچ جو بہشت بنا ہے تو بجا ہے - چاروں طرف سے فوارے چھوٹتے ہیں گویا آسمان سے
تارے ٹوٹتے ہیں پانی کی زمین سے پانی کا درخت نکلنا اور پانی ہی کے پھل پھول سے پھولنا
پھلنا خدا کی قدرت ہے - آئینے کے چشمے سے موج کا کھڑے ہو کر چلنا اور ہوا کے ساتھ زور کر
اچھلنا عجب حکمت ہے عقل نے جب فکر کے دریا میں غوطہ لگایا - تو روضے کے اِدھر حوض کے
واقع ہونے کا سبب یوں سمجھ میں آیا کہ نگاہ پہلے نہا کر اسمیں پاک ہو لے تب روضے کے طواف
کی آرزو کرے - اور ناطقہ پہلے اسکے پانی سے کلیاں کر کے منہ صاف کر لے تب بہار کی صفت میں
گفتگو کرے - اس حوض کی یاد میں دریا کی پسلی پھڑکتی ہے - سینے میں آگ بھڑکتی ہے - جوش
کھا کر دیکھنے آتا ہے - مگر دیوار سے سر ٹکرا کر پھر جاتا ہے - جس طرف آنکھ اٹھائیے اور جدھر خیال

دوپٹا بیٹے بیلا چنبیلی موگرا موتیا چنپا جوہی کیتکی کیوڑا گلاب سدا بہار گیندا اودی گل عباس گل مہندی نیاز بو گل زنبق گل حنا گل فرنگ گل چاندنی شبو گلنا سیوتی دوپہری سورج مکھی لالۂ نافرمان سوسن ہزار زبان نرگس حیران قسم قسم رنگ رنگ کے پھول پھول رہے ہیں پیارے پیارے سہانے درختوں پر صبح شام کو دھوپ چھانوں کا عالم تپوں پر شبنم کی طراوت اور نرم ڈالیوں پر چڑیوں کا غل پریوں کی آپس میں چھیڑ چھاڑ نوجوانوں کے غول ہمجولیوں کی ہنسی اور ٹھٹول کہیں گل کے قہقہے کہیں بلبل کے چہچہے ہیں مور ادھر شور کرتا ہے۔ ادھر عاشقوں کا جنون زور کرتا ہے۔ کوئل ہاں کوک اٹھتی ہے۔ یہاں سینوں میں ہوک اٹھتی ہے۔ پپیہا جو ادھر بولا پی کہاں۔ تو پھر یہاں بھی ہیں جی کہاں۔ ڈھیری ادھر نئے نئے طور پر دھس ہے۔ ادھر حیات کے جانے کی ادھیڑ بن ہے۔ طوطی کی جو بات ہے۔ گویا نبات ہے۔ مینا کو شیریں کلامی سے کام ہے۔ ناکاموں کا کام ہی تمام ہے۔ جگنو کا چمکنا باغ کا مہکنا دونوں وقت کا ملنا شبو کا کھلنا۔ سنبل کا بال بکھیرنا مچھلیوں کا حوض میں تیرنا۔ ہوا کا چلنا۔ دل کا مچلنا۔ سبزے کا لہلہانا۔ چڑیوں کا چہچہانا۔ پریزادوں کا جھولنا شفق کا پھولنا۔ گلزار خیال کا تماشا دکھاتا ہے یہ سماں دیکھکر کوئی پھول سا پھولا نہیں سماتا۔ کوئی بوئے گل کی طرح گریباں پھاڑ کر نکلا جاتا ہے۔ بیلا بے لاگ دل کو کھینچتا ہے۔ چنبیلی کی البیلی وضع پر روح شیدا ہے۔ مہندیوں کی ٹٹیوں پر چاندنی لوٹ پوٹ ہے جسکی بہار سے چاند کے جگر میں داغ اور دل پر چوٹ ہے۔ لالہ لعل سے بہتر سبزہ زمرد کا ہمسر کیاریوں کے کنارے کی ہری دوب۔ کاشانی مخمل سے زیادہ خوب او مرغوب درختوں کے تھالے ہیں۔ یا دودھ کے بھرے ہوئے پیالے ہیں۔ آبشار ہے یا آئینہ پشت بدیوار ہے۔ پانی کی چادر پر جو نقش و نگار ہے۔ قلم قدرت کا یادگار ہے۔ نہر کی جو البیلی اٹکھیلیاں کی چال ہو۔ تو دل کیونکر نہ پامال ہو۔ حباب سبزے کے ساتھ ہم آغوش ہے۔ یا کوئی جوان سبز رنگ

بادلہ پوش ہے۔ گلنار کو دیکھکر لعل انگاروں پر لوٹتا ہے۔ سبزے کے رشک سے زمرد زہر کھاتا ہے
یہ لالے ہیں۔ یا آتش کے پرکالے ہیں۔ جسکے دیکھنے سے جینے کے لالے پڑتے ہیں۔ اور دل ہی
دل ہیں داغ بڑھتے ہیں۔ چاندنے سبزے میں کھیت کیا ہے۔ یا سبز مخمل پر متقش کترکے چھڑک دیا ہے
کلغے کو قلم کرکے ایسا برابر کیا ہے۔ کہ اُسکے پتے اور پھولوں سے گویا سبز اور سرخ بوٹیوں کا قالیچہ
بچھا دیا ہے۔ مولسری کی خوبھینی بھینی خوشبو ہے۔ تو صبا کو اسی کی جستجو ہے یہ ہارسنگار کی گلکاریاں
ہیں۔ یا آگ کی چنگاریاں ہیں۔ بیر بہٹیاں رینگتی ہیں یا یاقوت کا خوں بہ چلا۔ لالہ زار میں ہیں
کھلا۔ یا چنار سے شعلہ نکل پڑا۔ اگر آب و ہوا کی لطافت یہی ہے تو موتی صدف سے کھل کر کلیوں کا رنگ
دکھائیگا۔ اور مچھلی کا کانٹا سر سبز ہو جائیگا۔ میوے کا نام زباں پر آیا اور حلاوت کے منھ میں
پانی بھر آیا۔ کہ لاسنگترہ رنگترہ چکوترہ نارنگی لیموں لے دآلو شفتالو انار سیب بہی انگور اننّاس ناشپاتی
کیلا بیر کمرکہ شریفہ کٹھل بڑھل انبہ انبلی جامن پھلینڈا امرود شہتوت۔ پونڈا کھرنی کوئی پھل
نہیں جو اس باغ میں نہوتا ہو۔ اور ساگ ترکاری سے لیکر جڑی بوٹی تک کوئی ایسی شئے نہیں جسے باغباں
نہ بوتا ہو۔ کہیں کولے سنگترے سے حسن کا چمن آگ بھبوکا ہو گیا کہیں فالسے کی رنگت سے
زمین کا دامن اودا ہو گیا سیب سے آسیب کی زحمت دفع ہو جاتی ہے۔ بہی بدل میں فربہی
لاتی ہے۔ ناشپاتی سے روح راحت پاتی ہے۔ انار نے خلق کے منھ یاقوت اور موتیوں سے
بھر دیے۔ نازنینوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ ادنیٰ میوہ یہاں کا اخروٹ ہے۔ جسپر ستاروں کا
دل لوٹ پوٹ ہے۔ آسماں میں رات سو طرح تاک جھانک میں رہا تب انگور کی ٹہنی سے ایک خوشہ
پرویں کا کچا لے بھاگا۔ سو باوصف اس پختہ کاری کے ابتک پکا نہ سکا۔ کیلا یہاں ایک ایک گود
میں ہزار پھلتا ہے۔ ماہ نو وہاں آسماں پر اکیلا نکلتا ہے۔ اس میں کا اگر خربزہ یا سردا ہے۔
پوست میں مغز اُسکا تر حلوا ہے۔ ہندوانہ مرغ روح کا آشیانہ ہے جسمیں ایک ہی جگہ موجود

آب و دانہ ہے۔ شہتوت تمام عالم کا قوت۔ انجیر بالکل شکر و شیر امرود۔ حلوائے بے دود۔ انبہ
نازنینوں کے ہونٹوں پر مُہر خموشی ہے کہ میرے سامنے شیرینی کا دعوی ناحق کوشی ہے دوات
قلم کی زبان چوستی ہے۔ گویا نیشکر ٹھہرایا۔ قلم کاغذ کو چاٹتا ہے۔ آپ چیونٹا بنا اور اسکو مصری
بنایا۔ مالی ڈالیاں سروں پر لیے جابجا کھڑے ہیں۔ انعام کے لیے اڑے ہیں۔ کوئی پھولوں کا
ہار لاتا ہے۔ کوئی گلدستہ دور سے دکھاتا ہے۔ پھر جو روضہ نظر آیا تو وہ سما آنکھوں میں سمایا
کہ نہ دیدۂ خواب کی آنکھوں سے کبھی دیکھا۔ نہ شنیدۂ خیال کے کانوں سے کہیں سنا۔ الٰہی
یہ روضہ ہے یا خلد بریں۔ آسماں ہے یا زمیں۔ سنہر اکلس ہے یا سورج کی کرن۔ گنبد ہے یا نور کا
مسکن۔ قبرستاں ہے یا روضہ رضواں۔ مکاں ہے۔ یا جواہرات کی کاں ہے۔ جو پتھر ہے
جواہرات سے بہتر ہے۔ صنّاع نے مرمر کے ایسی صفائی پائی۔ کہ سنگ مرمر کی صورت بنائی
سنگ موسیٰ کو شعلۂ تجلّی نے طور پر جلایا۔ تب اس درگاہ کے صرف میں آیا۔ کلس کا سایہ دریا
میں ایسا رہتا ہے جیسا برج آبی میں آفتاب جوش میں ہو یا چاند ایسا نظر آتا ہے جیسے دریا میں
حباب۔ دیوار میں منہ نظر آتا ہے۔ گویا آئینہ ہے جلا کیا ہوا۔ گنبد سے دماغ تازہ ہوتا ہے
گویا قرابہ ہے گلاب سے بھرا ہوا۔ صبح کی طبا شیر استر کاری کے صرف میں لائی گئی جو اتنا بھی
وہی نور کا عالم دکھاتی ہے۔ رات کا مشک اور شفق کی زعفران پیس کر گارے میں ملائی گئی
جو آج تک وہی خوشبو دماغ میں آتی ہے آفتاب کے ترنج کا عرق نچوڑ کر ماہتاب کے پیالے میں
سونے کی آب سے ملایا تھا جو چونے میں یہ نور اور ایسی صفائی ہے بہشت کے کافور کو شفق
کے ساتھ آفتاب کی کھرل میں پیس کر صبح کے دامن میں چھانا تھا جو رنگ نے یہ آب و تاب پائی
ہے۔ جالیوں کی نزاکت میں عقل کام نہیں کرتی کہ پتھر کو موم کر کے بال کا قلم پار کر دیا یا خیال کا
جالا سمجھ کر نگاہ کی نوک سے جیسا چاہا کام بنالیا۔ ہر ایک جالی میں وہ ملاحت ہے کہ دیکھنے میں

پچیر کی حالت ہے۔ کاغذ کی وصلی پر حرفوں کا ابھراپن تو معلوم بھی ہوتا ہے یہاں پتھر پر پتھر کی پچیکاری کا نہ جوڑ نظر آتا ہے نہ پیوند اور جوڑ نہ کہیں سے پست ہے نہ بلند۔ بس کر شہیدؔ بس کر۔ اب لکھنے کی مت ہوس کر کلام طول ہوا جاتا ہے۔ حاکم کے حکم سے عدول ہوا جاتا ہے سحر بیانی تیری مشہور ہے۔ تیرے قلم کو ہر طرز کی تحریر کا زور اور مقدور ہے۔ پر فرمائش سے مجبور ہے کہ رنگین عبارت لکھنے کی اجازت نہیں۔ نہیں تو نہ تجھے کس طرز کی تحریر کی طاقت نہیں لیکن یہاں بھی عجب کام کیا ہے کہ سادگی میں رنگینی کا رنگ دکھا دیا ہے۔ جو دوستوں کی سیر کے لیے گلزار ہمیشہ بہار ہے۔ اور حاسدوں کی نگاہوں میں کھٹکتا ہوا خار ہے۔ فقط

تاج گنج کے روضے کی تعریف تمام ہوئی
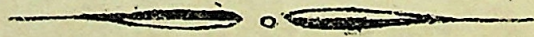
رویائے مرزا

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

میرے باپ دادا کے وقت سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر چاند کی پانچویں تاریخ کو تمام دن کوئی دنیوی کام نہیں کیا جاتا بلکہ وہ تمام دن خدا کی تحمید و تقدیس میں بسر کیا جاتا ہے۔ اس چاند کی پانچویں تاریخ کو میں حسب معمول نہایت سویرے اُٹھا اور نماز فجر ادا کر کے بغداد کی ایک بلند پہاڑی پر جا چڑھا کہ وہ تمام روز وہیں پر نماز اور دعا میں بسر کروں میں اس پہاڑ کی چوٹیوں پر ہوا کھاتا پھر رہا تھا اور دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔ کہ یکایک انسان کی فضولی کا ایسا دھیان بندھا کہ بے اختیار دل سے یہ آواز نکلی کہ بالیقین یہ آدمی کی ہستی بالکل بے اعتبار ہے اور زندگانی محض خواب ہے انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ دفعۃً سامنے کے ایک پہاڑ کی چوٹی پر نظر جو گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مجھسے تھوڑی دور پر ایک شخص گڈریوں کی وضع کا بیٹھا ہوا ہے اور اُسکے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا باجا ہے۔ اُسنے مجکو دیکھتے ہی اس باجے کو ہونٹوں سے لگا کر بجانا شروع کیا چونکہ اُسکی آواز نہایت سُریلی اور پُر سوز و گداز تھی اور میں نے ایسا نغمہ اپنی مدت العمر میں کبھی نہ سُنا تھا میری جان میں بیقراری کی آگ لگ گئی اور مجھپر ایک وجد کی حالت سی طاری ہو گئی۔

میں نے اکثر یہ سنا تھا کہ وہ چٹان ایک جن کا مقام ہے اور بہت لوگوں نے
اُدھر سے گزرتے وقت یا جاگتے سنا لیکن یہ نہ سنا تھا کہ ساز ندہ جیسے میرے روبرو آگیا
یوں اور کسی کے سامنے بھی آگیا تھا۔

اُسکی اُس نے نوازی نے میرے دل میں یہ اور بیقراری بڑھا دی کہ جسطرح ہو سکے
اُسکی باتوں سے بھی حظ اٹھایئے اس تمنا سے حیرت زدوں کی طرح اُسکے منھ کی طرف
میری ٹکٹکی بندھ گئی اور اُسنے بھی میری مشتاقی دریافت کر کے ہاتھ سے مجھکو بلایا۔ میں
نہایت ادب و تعظیم سے اُسکے پاس گیا۔ اور چونکہ میں عالم وجد میں پہلے ہی سے تھا
بیساختہ اُسکے پانوں پر گر پڑا اور بلک بلک کر زار زار رونے لگا۔ اس میری بیقراری
پر وہ جن اس شفقت سے مسکرایا کہ میرے دل میں جو اُسکے جن ہونے کی دہشت
اور اُسکے جانب سے وحشت تھی وہ ایک آن میں محبت و رغبت سے بدل گئی
پھر اُسنے مجھے اپنے پانوں پر سے اُٹھا کر سیدھا کھڑا کیا اور میرا بازو پکڑ کر کہنے لگا کہ
یار مرزا تو جو ابھی اپنی دانست میں اکیلا تھا اور بڑ مار رہا تھا وہ میں نے سب سُنی اب
ذرا میرے پیچھے ہو لے۔ اُس مقام سے قریب ایک اور ٹیکرا تھا اور یہ مقام سب سے
زیادہ بلند تھا مجھکو لیجا کر اُسپر کھڑا کر دیا اور بولا کہ پورب طرف دیکھ اور جو کچھ تجھکو نظر پڑے
مجھسے بیاں کر۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے ایک عجیب ہولناک نشیب چلا گیا ہے
اور اُسمیں بڑے زور شور سے پانی سیل کی صورت بہہ رہا ہے۔ جن کہنے لگا یہ نشیب
جو تو دیکھ رہا ہے یہی غم کی گھاٹی ہے اور یہ سیل جو اسمیں بہتی نظر آتی ہے یہ ازل اور
ابد کے بے انتہا زمانے کا ایک حصہ ہے۔

میں نے پوچھا کہ جہاں سے یہ سیل پھوٹی ہے اور جہاں پر پہونچ کے نگاہ سے

غائب ہوجاتی ہے ان دونوں مقام پر یہ کہرا سا چھایا ہوا کیا ہے ۔

اُس جن نے کہا کہ یہ سیل جو تو نے دیکھی وہ عرصہ ازل اور ابد کا ایک جزو ہے جو وقت اور زمانہ کے نام سے مشہور ہے کہ سورج جسکا پیمانہ مقرر ہوا ہے اور دنیا کے ایک سرے سے چل کر دوسرے سرے میں جو اُسکی فنا کا وقت ہے پہونچ کر ختم ہوجاتا ہے ۔ پھر بولا کہ خوب غور کر کچھ اور بھی تجھکو دکھائی دیتا ہے میں نے غور کر کے کہا البتہ سیل کے بیچ میں ایک پُل بھی دیکھتا ہوں ۔

جن نے کہا یہ پل جو تو نے دیکھا انسان کی عمر ہے ۔ پھر بولا کہ اور غور کر کے بیان کر میں نے خوب غور سے پھر دیکھا اور کہا کہ اس پل میں (۷۰) محرابیں تو درست ہیں اور چند ٹوٹی پھوٹی اور در بھی ہیں جنکو شامل کرنے سے سَو کا شمار پورا ہوجاتا ہے ۔

جن نے کہا کہ کسی زمانے میں اس پل میں ہزار محرابیں تھیں لیکن ایک بڑے طوفان سے نوسو در ایک دم میں بہ گئے اور اب یہ پل اس شکستہ حالت میں رہگیا ۔ پھر کہنے لگا کہ اور غور کر کے بیان کر ۔

میں نے غور کر کے کہا کہ اس پل کے اوپر سے گروہ در گروہ آدمیوں کو دیکھتا ہوں کہ چلے جاتے ہیں اور کالی گھٹا اُسکے دونوں سروں پر جھوم رہی ہے اور پل کے اندر سے بڑی سیل میں جو نیچے بہ رہی ہے کتنے مسافر دھا دھم گر رہے ہیں اور اس پل کی سڑک پر جابجا تختوں کے ہزاروں کھٹکے دار دریچے بنے ہوئے ہیں کہ جہاں اُنپر اچانک کسی مسافر کا پانوں پڑگیا اور دھڑام سے نیچے سیل میں گر کر غائب ہوگیا ۔ مگر یہ دریچے آدمیوں کے گرانے والے پل کے پہلے سرے پر بکثرت ہیں

اور بیچ میں بہت کم اور آخری حصہ پر اس کثرت سے ہیں کہ ساری راہ میں گویا آگ کی مہ
ہندی سی ہو رہی ہے جس سے ایک قدم بچکر چلنا محال ہے - ہاں کچھ ایسے بھی لوگ نظر پڑتے
ہیں کہ ان سو محرابوں کو طے کر کے ٹوٹے دروں پر سے اُچکتے کودتے پھاندتے
چلے جاتے ہیں مگر یہ عالم ہے کہ اب گرے اور تب گرے -

مجھکو اس تماشے کے دیکھنے سے بڑا صدمہ گذرا اور میں نے نہایت افسوس
کیا کہ ہائے کیا غضب کا مقام ہے کہ ابھی یہ لوگ کیسے ہنستے کھیلتے دوڑے جاتے تھے
یا اچانک عین کامرانی میں ایسے گرے کہ صدائے برنخاست ہر چند آس پاس کی
چیزوں کو پکڑتے رہے کہ شاید بچ جائیں حتی کہ اکثروں نے گھبراہٹ میں خود اپنے
سر کے بال پکڑ پکڑ لیکن رُک نہ سکا ایسے گرے کہ اُبھرے تک نہیں دم کی دم میں
نابود ہو گئے - بعض اس صورت سے نظر پڑے کہ رو بہ آسماں گویا اپنے کیے پر
پشیماں فضل الٰہی کے نگراں کھڑے ہیں اور اسی سوچ بچار میں ہیں کہ دفعۃً کسی کھٹکے دار
دریچے کی کل نے جھٹکا کھایا کمانی ہلی اور یہ تہ کو چلے دیکھتے دیکھتے نظروں سے
غائب - بہتوں کو اسطرح دیکھا کہ کھیل کود میں ایسے مصروف ہیں کہ انکو نہ اُس راہ
پُر خطر کا خوف نہ ساتھیوں کے گرنے اور ڈوبنے سے عبرت بلکہ ہوس کی برسات
میں خام خیالی کے بلبلوں کو فنا کے پانی پر تیرتے اور چمکتے دیکھکر جام بلوریں
الماس تراش پیالیاں خیال کر کے پکڑنے دوڑتے ہیں اور ایسے سرگرم لعب
اور از خود فراموش کہ ایک دوسرے کو پیچھے ڈھکیل رہے ہیں کہ ناگاہ اسی کشمکش
میں ایک دراندازِ کھڑکی پر قدم آیا اور تڑاق سے کھٹکا بولا اور چلے گردن کے بل
تحت الثریٰ کو - ایک طرفہ تماشا یہ دیکھا کہ اس پل کی سڑک پر چند بے سروپا لنگی

تلواریں ہاتھ میں لیے چاروں طرف بدمستوں کی طرح دوڑتے پھرتے ہیں اور کتنے غریب جو نہایت ہوشیاری سے گرانے والے دریچوں سے داہنا بایاں بچاتے سلامتی سے راستہ چل رہے ہیں ان بدمستوں کی تلواروں کے خوف سے گھبرا کے بھاگتے ہیں اور انہیں دریچوں پر پہونچ کر سیل ہلاکت میں گرتے ہیں۔ کچھ اگھوری ایسے نظر آئے کہ وہ برتنوں میں پیشاب بھرے ہوئے اِدھر اُدھر چھڑکتے پھرتے ہیں اور لوگ اُنکے اگھورپنے سے گھنا کر اپنے کو بچانے کے خیال سے بلاتحاشا بھاگتے ہیں اور انہیں دریچوں پر آکر غرق ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ اگر یہ بیچارے اسطرح سے پریشان نہ کیے جاتے تو وہ ان جان لیوا کھڑکیوں کی طرف نہ جاتے اور اپنا راستہ سلامتی سے چلے جاتے اُس جن نے جب دیکھا کہ میں اُس قلق افزا تماشے میں محو ہو کر سخت رنج میں ڈوبا ہوا ہوں تو کہنے لگا کہ اب اس تماشہ میں کب تک مصروف رہیگا تجکو ابھی کچھ اور بھی دیکھنا ہے ذرا آنکھ اُٹھا کے پل کے اسطرف تو دیکھ۔

میں نے جیسے ہی نظر اٹھائی ایک نئی سیر نگاہ سے گذری اور میں کچھ اُسے سمجھ نہ سکا اور تعجب کی راہ سے میں نے کہا۔ حضرت جن سلامت بھلا اسکے کیا معنی کہ طرح طرح کے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اُس پل کے اطراف میں پھرا کرتے دکھائی دیتے ہیں جو کبھی کبھی پل کی منڈیروں پر آبیٹھے ہیں میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے گدھ اور کالی اور سفید چیلوں اور جنگلی کووں اور دیگر اقسام کے پرندوں میں درمیان کچھ چھوٹے چھوٹے پردار بازو والے لڑکے بھی اُڑتے پھرتے ہیں یہ کیسے [illegible] پرندوں کے دل کے دل اس پل کے دریائی محرابوں

پرندے لارہے ہیں۔

جن بولا کہ انھیں خوب پہچان لے۔حسد۔بخل۔تعصب۔یاس۔عشق۔محبت ان پرندوں کے نام ہیں۔یعنی نفس امارہ کے مختلف جذبات یہی ہیں جو ٹھیک انھیں مردار خوار چڑیوں کی طرح اسی تلاش میں پھرتے ہیں کہ موقع پاتے ہی کسی غفلت کی مردار کی زندگی کو اپنا طعمہ بنالیں۔

یہ تمام کیفیت دیکھکر مجھے نہایت رنج ہوا اور ایک آہ کھینچ کر میں کہنے لگا کہ یہ انسان کیوں بنایا گیا۔وہ بیشمار غم کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا گیا ہے کہ ستایا جائے جب تک جیسے رنج۔اندوہ۔فکر۔بیماری۔سب اسکو ستاتے رہیں اور انجام میں بیچارے کو موت کا اژدہا یوں بے تامل نگل جائے۔

اس جن کو میرے اس قلق پر نہایت ترس آیا اور کہنے لگا کہ مرزا یہ انسانی ہستی کی پہلی منزل اور اسکے سفر جاوید کا پہلا مرحلہ تھا اب اس طرف سے اپنی آنکھ ہٹا اور میری انگلی کی سیدھ پر پل کے دوسرے سرے کی طرف جہاں گہرا تاریک کہرا سا چھایا ہوا ہے بغور دیکھ کہ اس فانی بنیاد۔زوال نہاد انسان کی کتنی نسلوں کو اسی سیل فنے اس تاریک کہرے کے مقام پر پہونچا دیا ہے۔

میں نے اسی سمت کو نظر دوڑائی اور اس تاریکی کے اس پار بھی اس سیل کے بہاؤ کی گھاٹی کو دیکھا کہ ایک قلزم زخار ناپیدا کنار میں اسکا دہانہ گرتا ہے۔مگر اس مقام پر مجکو تردد ہے کہ میری نظر ایسی غلیظ تاریکی کے پار کیونکر گئی یا تو اس جن نے میری نظر میں اپنی قوت جنی سے زور دیا۔یا اس اندھیرے کی غلاظت کو پراگندہ کر دیا۔ بہرکیف میں نے اس کہرے کے اس پار سمندر میں گیا دیکھا کہ وسط میں ایک اونچی

چٹان مستطیل دیوار نما کھچی چلی گئی ہے اور یہ فصیل بالکل ہیرے کی ہے جسکے سبب وہ
قلزم برابر دو حصوں میں بٹ گیا ہے - ایک طرف کے نصف حصے پر کچھ ایسے تیرہ و تار
بادل جھوم رہے تھے کہ اندھیرے کے مارے اُسکے ماتحت حصے کا حال ذرا بھی
معلوم نہ ہو سکا - لیکن دوسرے نصف حصے کی طرف کا مطلع صاف تھا میں نے
اچھی طرح دیکھا کہ ایک وسیع سمندر ہے بالکل شفاف جسمیں بیشمار جزائر ہیں ہر طرح کے
میوہ دار درختوں سے ثمر ریز انواع اقسام کے پھولوں سے چمنستان بن رہے ہیں
اور دریا ہزار در ہزار جا بجا ایسے دوڑے ہوئے ہیں جیسے مچھلی پکڑنے کا جال - پانی
شفاف جیسا موتی یا بلور کا تختہ جگہ جگہ بہتا ہوا - اور وہاں کے باشندے نہایت درجہ
کے محتشمانہ لباسوں سے مزین پھولوں کے تاج سر پر رکھے ہوے کچھ تو درختوں
کے سایہ میں گلگشت کر رہے ہیں اور کچھ پھولوں کی کیاریوں میں آرام کر رہے ہیں
اور بعض چشموں کے کنارے بیٹھے ہوے طرح طرح کی دلکش آوازوں سے نغمہ سرا
ہیں - چڑیوں کی میٹھی میٹھی نوا سنجی - پانی کی چادروں کے گرنے کا مزے دار شور
آدمیوں کی الاپ - ساز اور باجوں کے ملاپ کا سماں بندھا ہوا تھا - یہ تماشا نظر
آنے سے میری وہ پہلی کدورت بالکل دور ہو گئی - ساری حسرت اور کلفت مبدل
بہ سرور ہو گئی - اور بے اختیار مجھکو یہ خواہش ہوئی کہ کاش مجھکو عقاب کے پر ملتے
کہ میں ایک ہی پرواز میں ایسے مقام دلکش میں جا پہونچتا -

وہ جس میری اس تمنا کو سمجھ کر بولا اجی حضرت آپ کی یہ خام خیالی ہے - وہی موت
کے دریچے جو اس پل کے رستے میں آپنے دیکھے ہیں سوائے اُنکے اس فرحت بخش
مقام میں پہونچنے کی اور کوئی راہ ہی نہیں ہے - اور یہ جو سرسبز اور برکت آباد جزیرے

تم دیکھ رہے ہو یہ اتنے ہی نہیں ہیں بلکہ تمھارے وہم و خیال کی دوری سے بھی زیادہ دور تک یہ چلے گئے ہیں۔ یہ جزیرے نیک بندوں کے مسکن ہیں جو انھیں اس دردناک زندگانی کا سفر تمام کرنے کے بعد آرام کرنے کے لیے مرحمت ہوئے ہیں۔ اور یہ سارے راحت کے مقام ہر شخص کے لیے موافق اسکے برداشت صعوبات دنیا اور شکرگزاری واستقلال وغیرہ کے کم وبیش آسائش وآرائش کے سامانوں سے درجہ بدرجہ سجائے گئے ہیں۔

اسکے بعد وہ جن کہنے لگا۔ بھلا مرزا اب تو ہی بتلا کہ جب یہ حیات مستعار ایسی راحت ابدی کا دروازہ ہو گیا تو اُسے پھر بھی بُرا کہیگا۔ اور موت جو درحقیقت ایسے مسرت افزا مقامات پر پہونچانے کی سواری ہے کیا تو اب بھی اُس سے ڈریگا اے شخص جب آدمی کے لیے ابدیت کے یہ عمدہ ذخیرے ہوں کیا تب بھی تو اسکی پیدائش کو بیکار ہی کہے جائیگا۔ ہرگز ہرگز انسان عبث پیدا نہیں ہوا ہے اسکی پیدائش سے خدا نے بڑی بڑی برکتیں متعلق کر دی ہیں۔

میں اُس جن کی یہ باتیں سنکر اور ان مقامات روح افزا کو دیکھکر نہایت خوش ہوا اور اپنے قول اول سے جو شکایت آمیز تھا توبہ کرکے چاہتا تھا کہ اُس جن سے اب اس بات کی خواہش ظاہر کروں کہ اب مجھے اُس دوسرے حصہ کا بھی حال دکھلا دیجیے کہ جدھر کالا بادل اندھیرا کیے تھا۔ مگر دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت جن نظروں سے غائب ہیں اور مجھے تنہا چھوڑ کر چلدیے۔ اب میں نے مایوس ہو کر چاہا کہ اپنے پہلے ہی تماشے میں مصروف ہوں لیکن اب نہ وہ پل تھا نہ وہ سیل تھی نہ وہ ہیرے کی دیوار فاصل تھی نہ وہ کالی گھٹا تھی فقط بغداد کے پہاڑوں کی

سنسان گھاٹیاں تھیں اور میدان جنمیں گائے بھیڑ بکریاں اونٹ چر رہے تھے
قصہ مختصر اس سارے رویا کی تعبیر اتنی ہے کہ - الدنیا مزرعۃ الآخرۃ - یعنی دنیا کھیتی
آخرت کی ہے - جیسا تخم یہاں بویا جائیگا ویسا ہی اُسکا پھل وہاں ملیگا -

خواب پریشان

شد پریشاں خواب ما از کثرت تعبیرہا

میں اسی خیال میں ڈوبا ہوا اپنی آرام چوکی پر دراز ہوا اور اسی سوچ بچار میں تھا
کہ بیخبر سوگیا آنکھ کا جھپکنا تھا کہ کہاں سے کہاں جا پہونچا - کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت
وسیع بے پایاں میدان ہے اور حضرت (جوپی ٹر) کی خدمت میں رنج و غم کے
بوجھوں سے خستہ اور تنگ آئے ہوؤں بنی آدم کی فریادیں پیش ہوئیں اور یہ
عرض کیا گیا کہ وہ ازلی تقسیم سے ناراض ہیں اور اُس تقسیم کو ناواجبی اور کم و زیادہ
بتاتے ہیں - اس بنا پر اُس دیوتا کی پیشگاہ سے حکم ہوا کہ ایک منادی عام ندا کردے
کہ ہر ایک بندۂ فانی اپنے اپنے رنج و قلق کا بوجھ لیکر حاضر ہو اور اسی مقام پر
ایک جگہ انبار کرتا جائے - میں بھی یہ تماشا دیکھنے کی غرض سے ناف میدان
میں جا ڈٹا - دیکھتا کیا ہوں کہ ہر قسم اور ہر درجہ کے لوگ یکے بعد دیگرے چونٹیوں
کی قطار کی طرح سروں پر رنج و غم کے گٹھر رکھے ہوئے چلے آتے ہیں اور وہاں پر آسکے
پٹکتے جاتے ہیں - گٹھر پہ گٹھر اس کثرت سے گرے کہ ایکدم میں بہت بلند پہاڑ سا ہوگیا

* پرانے اہل یونان کے دینیات میں (جوپی ٹر) نیکیوں کے مالک دیوتا کا نام تھا -

وہاں ایک دُبلی پتلی عورت بھی دیکھ پڑی مگر کچھ چلبلی سی تھی وہ اس کار ثواب میں
بڑی چستی سے سرگرم انتظام معلوم ہوتی۔ ایک آئینہ خود بیں و بزرگ نما اُسکے ہاتھ میں تھی
اور اُسکا لباس نرالی قطع کا اتنا ڈھیلا ڈھالا تھا کہ زمین جھاڑتا جاتا تھا اور اُسمیں دردامن
حاشیے ترنج حوض کچھ عجائب شکلوں کے سوزنکاری سے بنے ہوے تھے اور
بجائے نقش ونگار کے طرح طرح کے خبائث اور شیاطین کی شکلیں کڑھی ہوئی تھیں
اور جب یہ لباس ہوا سے ہلتا تھا تو یہ تمام شکلیں بنا بنا ہیبت ناک روپ بدلتی اور
چلتی معلوم ہوتی تھیں اس عورت کے چہرہ سے وحشت اور نگاہوں سے گرگاپن
برستا تھا۔ (بی خام خیالی) انکا نام تھا۔ اب اُنکے کرتوت سنیئے یہی بی صاحب ہر
بیچارے شکار فنا کو جاکر اُبھارتی تھیں اور اُسکے رنج و غم کا بوجھ بندھوا کر اُسکے سر پر
رکھوا کر اُس انبار خانہ تک لگا لاتی تھیں۔ میں نے جو رنج و غم کے گٹھروں کی یہ
کثرت دیکھی اور اپنے ہمجنسوں کو مبتلائے بلا دیکھا تو نہایت ملال ہوا۔

اس موقع پر چند ایسے لوگ بھی نظر پڑے جنکے تماشے میں طبیعت کو دل لگی
کا موجب مل گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ایک بقچہ بستہ میں کسا ہوا ایک پرانی
فرغل میں لپٹا ہوا لوگوں کی نظروں سے چُرائے ہوئے لایا اور چھپا کر انبار میں
ڈال دیا۔ آخر کو معلوم ہوا کہ اساس مفلسی کا رنج تھا جسے بیچارہ پاس وضع سے چھپا کر
لایا تھا۔ ایک اور بھلے مانس اونچا سا گٹھر لیے بڑی زحمتوں سے وہاں تک پہونچے
جب ٹپکا تو معلوم ہوا کہ بُری جورو کا غم تھا سچ ہے۔ زن بد جس کسی کے گھر میں ہے
اسی عالم میں وہ سقر میں ہے۔

عاشقوں کے گروہ عجب انداز سے دیکھے کہ سروں پر فراق محبوب اور

اپنی ہی بیقراری اور در دبیتابی اور بلاے عشق کا بھاری بوجھ لیے ہوے لبولب
پر آہ و نالہ آنکھوں سے جوے اشک رواں گرتے پڑتے ہاے ہاے کرتے
چلے آتے ہیں بار عشق سے گردنیں ٹوٹی جاتی ہیں اور ایسے تھکے ہوے اور اپنے
بوجھوں سے تنگ ہیں یقین تھا کہ پہونچتے ہی انبار میں پٹک کر بھاگ جائینگے۔ پھر
کیا ہوتا تھا کہ ہنوز انبار کے نزدیک بھی نہیں پہونچے کہ ٹھٹکے اور نہ معلوم انھیں پھر اپنی
گٹھریوں پر کیا پیار آجاتا تھا کہ اُلٹے پیروں ویسی ہی لدے پھندے روتے پیٹتے
جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی کو چلدیے اُنمیں کسی سے اتنا بھی نہو سکا کہ دل کو
مضبوط کر کے گٹھری کا پھینکنا تو در کنار ذرا کاندھے سے تو اُتارتا بس یہی گروہ
ایسے ناشاد دیکھے کہ جسطرح مغموم آئے تھے اسی طرح محروم پھر گئے۔

بوڑھیوں کے غول کے غول بھی نظر پڑے انھیں جوانی کی دھن سمائی ہوئی تھی
اپنے چہروں کی جھریوں اور بڑھاپے کی تکلیف کا بوجھ پھینکنے لائی تھیں۔ جوانیں
کچھ اور ہی طرح کا دکھڑا رو رہی تھیں۔ گوریوں کو یہ غم تھا کہ ہماری رنگت میں سرخی
کیوں نہوئی سفید شلغم کا سا رنگ ہم نہ لینگے۔ کالیوں کو یہ رنج تھا کہ ہماری رنگت
گوری بھبھوکا کیوں نہ بنائی گئی۔ کتنی گلعذار یہی سر دھنتی تھیں کہ ہماری ناک کی رنگت
بہ نسبت گالوں کے سرخ* زیادہ ہے یہ عیب ہم ہرگز نہ لینگے ہماری خوبصورتی
میں فرق آتا ہے۔ کسی کے ہونٹھ موٹے تھے۔ کسی کی ناک چپٹی تھی۔ کسی کا
دہانہ بڑا تھا۔ کسی کے دانت بدقطع تھے۔ کسی کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔
غرضکہ عورتوں کی بدصورتی کے رنج و غم کی پوٹلیوں کا بطور خود ایک تودہ بنگیا تھا

* انگریزی عورتوں میں ناک کی سرخی کا زیادہ ہونا بہ نسبت چہرے کے رنگ کے سخت معیوب ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ یہ بات کچھ عورتوں ہی سے مخصوص نہ تھی بلکہ عموماً آدمی کے
جسمانی عیوب ہی کے رنج و غم کی گٹھریاں زیادہ تھیں۔ کسی کی کمر میں قدرتی کوبڑ تھا
کسی کے اور عضو میں کوئی عیب تھا۔ اسی طرح اور جملہ اقسام کی بیچینیاں اور قلق تھے
مگر افسوس تو یہ ہے کہ جو امور درحقیقت انسانیت کے حق میں عیب ہیں اور سب سے
اول وہی چیزیں پھینکنے کے لائق تھیں مثل بدباطنی و بددیانتی وغیرہ کے اُنمیں
سے ایک پوٹلی بھی نہ تھی ہاں صرف وہمی دُکھ اور خیالی پریشانی کی گٹھریوں کا انبار تھا
ایک ایسی ذراسی پوٹلی بھی نکلی کہ پہلے جسپر میرا دھیان بھی نہ گیا تھا۔ وہ ہیولا ہے
انسانی کے اتفاقی عوارض تھے اور اسطرح کی پوٹلیاں اکثر عمائد ہی ہاتھوں میں نظر
پڑیں۔ اُنمیں بڑی توند اور طحال وغیرہ کی شکایتیں تھیں۔

میں اسی سوچ میں تھا کہ یہ کیا وجہ ہے فضول باتوں کی گٹھریوں کا تو انبار لگا
ہوا ہے اور روحانی کمزوریوں۔ معائب نفسانی۔ تعصبات باطلہ۔ ان اصلی عیبوں کا
اپنے سے دفع کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ کہ اتنے میں ایک گروہ بوالفضول آدمیوں کا
نظر پڑا اور اُنکے بوجھے بہ نسبت اوروں کے بہت بھاری تھے۔ یہ لوگ اپنے
جرائم و معاصی کے بوجھ سے خوب لدے پھندے ہوئے تھے۔ آخر جب اُنکے
کالائے ناسزا کی تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنی نفسانی خطاؤں اور آلہی بیزاریوں
کا غم پھینکنے نہیں آتے ہیں بلکہ ان کل عیبوں میں جو ایک ثواب ہے اس سے
یہ لوگ بیزار ہیں اور اسی کو انمیں سے چھانٹ کر پھینکینگے۔ یعنی انکے پاس ایک خیال
نیک تھا کہ وہ انھیں بار بار انکی خطاؤں اور قصوروں پر تنبیہ کرتا تھا اور ہمیشہ بری
باتوں پر الزام دیا کرتا تھا بس یہ لوگ جو ہزار ہا عیبوں میں ایک یہی نام چار کو نہ تھا

اُسی سے بیزار ہیں۔ ایک گروہ اور آیا اور اُسنے بجاے اسکے کہ کبر و جہالت کو اُس انبار میں پھینکتا اپنے عجز و انکسار کو جو اُسکی عزت و راحت کا سامان تھا ناقدری سے ٹھیکری کی طرح پھینکدیا۔

جب تمام آدمی اپنے اپنے غموں کا بوجھ پھینک کر سبکدوش ہو گئے۔ وہی چھلاوہ مکارہ (یعنی خام خیالی) جو اُس موقع پر بدل و جاں مصروف یاد گاری تھیں اوروں سے تو نپٹ ہی چکی تھیں اب میری باری آئی اور چونکہ وہاں پر میں محض بے لگاؤ تماشائی تھا اس سبب سے وہ اور مجھسے جل رہی تھیں اب فرصت پاتے ہی میری طرف متوجہ ہوئیں اور فوراً اپنا وہی آئینہ خرد بین بزرگ نما میری آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ ہرچند کہ میں اُسکو بُرا جانتا تھا اور اُسکے افعال سے نہایت بیزار تھا لیکن اُس آئینہ میں نظر کرتے ہی میری کیفیت بدل گئی اور اپنی صورت کی بیڈھنگی پر چونک سا گیا یعنی اصلی بدنمائی تو بالکل خفیف تھی یوں معلوم بھی نہوتی تھی اب اُس آئینہ میں تو بیڈھب زبوں معلوم ہوتی۔ چہرہ بیموقع۔ طباقی۔ چوڑا چکلا۔ بالکل بدہیئت۔ اس عیب کے دیکھتے ہی میں اپنی صورت سے بیزار ہو گیا اور بلا تامل اُس بدصورتی کا قلق یوں کھینچ مارا جیسے کوئی اپنے منھ پر سے برقع کو اتار کر پھینکدے۔ اب میں بھی اپنے غم سے فارغ البال ہو کر سب کے ساتھ مل گیا۔

ایک عجیب اتفاق ہوا کہ ایک آدمی میرے پہلو میں کھڑا ہوا تھا اور وہ مجھسے ایک ذرا پہلے اپنی درازروئی کا غم پھینک چکا تھا۔ اُسکا چہرہ کتابی تھا مگر ناموزوں بری طرح لمبا کھنچ گیا تھا گویا ڈھیلے آٹے کی لوئی پکانے والے کے ہاتھ سے ایک طرف کو بہ گئی تھی گھوڑ مونہے کی پھبتی جسکے لیے نہایت برجستہ۔ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ

بلا مبالغہ فقط اُسکی ذقن (ٹھڈی) اور میرا سارا منھ برابر تھا۔

اب یہ ایک امر اور تردد عظیم کا سنیے کہ اگرچہ ہم تمام بنی آدم ہر مذہب و ملت کے اپنے اپنے بوجھوں سے سبکدوش بفراغت کھڑے تھے مگر اُس انبار غم کے گرد جمع ہو کر اُسکی گٹھریوں کے سامانوں کی الٹ پلٹ کی میں مشغول ہوئے۔ اور ہر شخص دوسرے کے غم پر اعتراض کرتا تھا کہ یہ غم تو پھینکنے کے لائق نہ تھا بلکہ یہ تو عین اسباب راحت اور برکت زندگی کے ساماں میں سے ایک سبب تھا نہیں معلوم کہ اسکے مالک کو ایسی اچھی چیز کیوں بُری معلوم ہوئی اور اسکے پھینکنے پر کیونکر اُسکا ہاتھ اُٹھا۔ غرضکہ ہر ایک دوسرے پر طعنہ زن تھا۔

کہ اتنے میں (جوپی ٹر) کی جانب سے اس مضموں کا اشتہار ہوا کہ اے آدم زادو تمنے قسمت ازلی سے اپنی ناراضی ظاہر کی کہ کسی کو کم مصائب اور کسی کو ناحق فراوا زیادہ دُکھ دیے گئے۔ چنانچہ تمھاری شکایت دور کرنے کے لیے وہ داد الٰہی تمسے لے لی گئی۔ اب یہ سارا ڈھیر تمھارے سامنے پڑا ہے اور تم سب اس جگہ کھڑے ہو۔ تمھیں کامل اختیار دیا جاتا ہے کہ خوب سوچ سمجھکر اپنی اپنی کلفت اپنی اپنی اذیت بلا جبر و اکراہ اپنے اپنے پسند کے موافق ایک دوسرے کے ساتھ بدل لو۔ اور جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی کو چلتے پھرتے نظر آؤ۔

بی خام خیالی تو اُسی وقت کی منتظر اپنی عیاریوں کی گھات میں بیٹھی ہی تھیں اس ندا کے سنتے ہی کمینگاہ سے تھرکتی نکلیں اور پھر لوگوں کے خرمن عافیت میں آگ لگانے کو مستعد ہوئیں۔ پہلے تو بڑی چستی اور چالاکی سے سب گٹھریوں کو الگ الگ مضبوطی سے باندھا اور پھر لوگوں کی طرف نگاہ نحبت سے دیکھکر کسی کو للکارتیں

چل دیکھتا کیا ہے دیکھ اس گٹھری میں کیا عمدہ مال ہے لے اور راستہ پکڑ کسی کو
لبھا ہی لیا کیوں نہیں ارے اس گٹھری کو غنیمت جان ایسا نہو کوئی دوسرا
لے بھاگے اور تو منھ تکتا رہجائے یہ تیرے پہلے وبال سے کہیں کم اور ہلکا ہے
غرضکہ اس ظالمہ نے کسی سے کچھ کہا اور کسی کو کچھ پٹی پڑھا کر دام میں پھنسایا۔
تمام عالم میں کھلبلی پڑ گئی۔ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا اور اپنے پسند کی گٹھری
خوشی خوشی اٹھا لیتا تھا۔

اس ریلا پیلی اور انبوہ در انبوہ لوگوں کے تلاطم میں جو مجکو انتشار تھا بیان نہیں کیا
ہو سکتا مگر پھر بھی جو جو خاص امور میرے دمیان میں آگئے وہ بتلائے دیتا ہوں
ایک بوڑھا بزرگ صورت وجیہ معزز گالے کی طرح مونچھ داڑھی سر کے بال
سب سفید نظر آیا اُسنے بھی اُس انبار میں اپنی لاولدی کے رنج کی گٹھری پھینک دی
تھی اور اس تلاش میں تھا کہ کوئی ملے تو اُسے متبنی کر لے اور اپنے بعد اپنی جائداد
کا وارث بنائے۔ اور ایک دوسرا ایسا شخص تھا کہ جسکا بیٹا سخت نالائق مادر پدر آزار
جفا کار تھا اُسنے اُسکو عاق کر کے ناخلفی فرزند کے دکھ کی گٹھری اُس خرو ارغم میں
ڈالی تھی۔ بڑے میاں اُسکو دیکھتے ہی دوڑے اور اُٹھا لیا کہ درد لاولدی سے
نجات ملیگی۔ انھوں نے تو اُس پھینکے ہوئے بیٹے کو اپنا بیٹا بصد رغبت بنایا اور
اُس بے حمیت نے کیا کیا کہ پیر مرد سے بلا کی طرح جا چمٹا داڑھی پکڑ کے چاہتا تھا
کہ وہ بیڈھب ایک ہاتھ جڑے کہ بڈھے کا بھیجا کاسہ سر کے باہر جا پڑے کہ اتنے
میں کہیں بڈھے کی نظر اُسکے اصلی باپ پر جا پڑی اُسے دیکھتے ہی دہائیاں دینے لگا
کہ بھائی یہ تیرا سپوت تجھی کو مبارک رہے اسے لے اور میری لاولدی کا بُرا انجام

مجھے پھر دے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا یہ اختیار ڈھیر سے اٹھانے کے وقت تک ممکن تھا کہ جو چاہتا سو لیتا اب بدلنے کی اجازت ہی نہ رہی تھی۔

ایک ایسا غلام بھی تھا کہ پابہ زنجیر کر کے بیچارے کو کشتی کھینے پر مجبور کیا تھا اُسنے وہ اپنا رنج اور زنجیر اس ڈھیر میں پھینک کر درد نقرس پسند کیا کہ پاؤں کی بیماری میں تو اس ملّاحی سے نجات ملیگی گوشۂ عافیت میں جا بیٹھونگا۔ مگر جب درد نقرس نے زور کیا پھر تو اُس مرض کے درد سے بیتاب ہو کر چلّانے لگا اور اسکی زندگی تلخ ہوگئی اب جسے دیکھو وہ اسی کو اُلٹا الزام دیتا ہے کہ تو نے یہ کیا حماقت کی کہ اپنے نفع کو خسارہ سے بدل لیا۔ اس غلام پر کچھ موقوف نہیں۔ اُس موقع پر جن لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مصائب تبادلہ کیے تھے اُنمیں اکثر اس قسم کے تھے کہ جنھوں نے مفلسی کی جگہ بیماری لی تھی۔ کم خوری کی جگہ ہوکا اور درد کے معاوضہ میں تردد پسند کیا تھا۔

عورتوں کے خیالات دنیا سے نرالے تھے وہ صورتوں اور شکلوں کی اولا بدلی میں بڑی سرگرمی سے مصروف تھیں کوئی ایسے پیچ و تاب میں تھی کہ اگر اُسکے سفید چونڈے کا رنج بدل کر چہرے پر لال مُنہاسے کا عیب ملجائے تو حرج نہیں۔ کوئی یہ چاہتی تھی کہ کوتاہ کمری اور بھدّے پنے کے معاوضہ میں کہیں لٹودار شانے ہی ہاتھ لگیں تو بُرے نہیں۔ تیسری اسی میں مری جاتی تھیں کہ پیٹھ کے کوبڑ کے بدلے میں اگر پاؤں کا لنگ پا جاؤں تو سبحان اللہ۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ جب ہر کسی کو اُسکی رغبت کے موافق دوسروں کے عیوب مل گئے

* اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں غلاموں کو پابہ زنجیر رکھتے تھے اور اُنکے ساتھ بڑی بے رحمی کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔

اور وہ اُسکے پہلے جسمانی نقص دور ہوگئے لیکے بعد بھی چین نہ پڑا بلکہ برخلاف اسکے یہ نئی زشتی پرانی زبونی کی نسبت کہیں بڑھکر بآئندہ گزرنے لگی پھر تو انکی اس تازہ بکلی کا کیا پوچھنا تھا چاروں طرف ہائے ہائے وائے وائے مچی تھی ہر شخص کی زبان پر یہی جاری تھا کہ افسوس ہماری کلفت اور زحمت پیشتر سے بیشتر ہوگئی اور یہ نیا دکھ پہلے الم سے ہزار درجہ بڑھکر ستا رہا ہے۔ میں اس تعجب میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب تو ان لوگوں نے اپنی اپنی مرضی سے مصائب کا تبادلہ کیا ہے پھر یہ کیوں سابق سے بھی زیادہ تلملا رہے ہیں شائد یہ سبب ہو کہ وہ اول مصیبت رفتہ رفتہ آئی تھی اور یہ لوگ بھی تدریج اُسکے خوگر ہوگئے تھے بدیں وجہ دنیا کی ہر ایک سخت و سست کدورت و زحمت بخوبی جھیل لیتے تھے اور یہ جو نئی یک بیک عادت طبیعت سے محض اجنبی بلائے ناگہانی سی آپڑی اُسنے ایکدم میں گھبرا دیا۔

میں اسی سوچ میں تھا کہ دور سے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص سرو قامت اکڑتا چلا آتا ہے میں نے دل میں کہا کہ الحمد للہ ان میں ایک شخص تو بے غم ہوتا ہے مگر اُسکے پاس پہونچتے ہی حضرت کے اکڑنے کی قلعی کھل گئی۔ یعنی یہ اکڑنا کچھ خوشی کا نہ تھا بلکہ اس کمبخت نے دوسرے شخص سے کوزہ پشتی کے عوض مثانہ کی پتھری خریدی تھی یہ اُس درد کی کھٹک سے اینٹھ رہا تھا اور جسنے اُسکی کوزہ پشتی بعوض سنگ مثانہ کے لی تھی وہ ایک جوان رعنا تھا اب اُسکو عجیب ہی بُری آفت میں مبتلا پایا۔ یعنی وہی گلعذاراں پر چہرہ کہ جو پہلے اسکے حُسن پر مفتون تھیں اب جو انھوں نے اُسکے دونوں کاندھوں کے درمیان سر کو یوں نیچے دبا ہوا پایا اور دونوں شانے سینگ کی صورت اوپر کو ابھرے ہوئے دیکھے بے اختیار قہقہہ مار کر اُسکی عجیب ہیئت پر مارے ہنسی کے لوٹنے لگیں۔ اُسنے جو اپنی اسطرح رسوائی

ہوتے دیکھی تو اپنے اوپر ہزار ہزار لعنت اور نفریں کرتا تھا اور جان دینے پر آمادہ تھا۔
جگ بیتی تو کہہ گیا اب اپنی بیتی کیوں قلم انداز کروں وہ میرا دراز رو دوست جو میرے
پہلو میں کھڑا تھا میرے لٹکے لیس دیں ہوا میں نے اُسکا لمبا منھ لیا اور اُسنے میرا
طباقی چہرہ پسند کیا۔ اب جو اُسنے بدلے ہوئے چوڑے چکلے منھ پر غور کیا اور ناگہانی
جدید انقلاب اپنی صورت میں دیکھا عجیب ضیق میں پڑ گیا اور اُس بیقراری میں جو
بھونڈی ادائیں اور شتر غمزے اُسنے کیے ہیں لائق دید تھے چلا چلا کر روتا تھا اور
اپنی پہلی صورت کے بگاڑ لینے کی خفت رائے پر افسوس کرتا تھا۔ میں الگ اپنا
سر دھنتا تھا اور اپنی بیوقوفی پر اشک حسرت ٹپکاتا تھا لوگوں کے سامنے اپنی حرکت
کی خجالت سے بار انفعال سے سر کو اُٹھا نہ سکتا تھا مارے ندامت کے جی ہی جی میں
کٹا جاتا تھا۔ ایک تو گروں پر خلاف معمول اُس بھاری لمبے منھ کا وزن بڑھ گیا ہر دم
دل یہی چاہتا تھا کہ ٹھڈی کو کسی چیز پر ٹیک دوں۔ اُسپر طرہ یہ کہ بسبب شرمندگی کے
میں نے چاہا کہ ہاتھ پر ماتھا ٹیک سر جھکا آنکھیں نیچی کر کے بیٹھوں مگر افسوس کہ پہلے تو
چھوٹے منھ کی عادت تھی اُسی کے موافق میں نے پیشانی کو ہاتھ پر رکھنا چاہا اب بار بار
ہاتھ پر ٹھڈی ہی جا کر ٹکتی ہے کیونکہ جہاں پہلے سر کا ماتھا تھا وہاں تک تو اُس جدید
چہرہ کا صرف ذقن ہی ذقن یعنی (ٹھڈی) ہے۔ ماسوا اسکے یہ سب سے بڑی زحمت
ہوئی کہ خود میرے ہی ہاتھوں سے میرے منھ پر طمانچے پڑنے لگے وہ یوں کہ
چہرے پر سے مچھر مکھی اڑانے یا کسی اور ضرورت سے منھ کے سامنے ہاتھ ہلایا
کہ تھپڑ پڑ گیا وجہ یہ کہ عادت تو پہلے چھوٹے منھ کی تھی اس گھوڑ موھنے پن کی نسبت
نہ ہونے سے ہاتھ بے تکلف چل جاتے اور وہاں ناک ہی پر دھول پڑ جاتے۔

میں اپنی اس آفت میں تھا ہی کہ سامنے سے دو مرد آدمی اس سے بھی زیادہ
مصیبت میں پھنسے دیکھے ایک تو وہ تھا کہ پہلے جسکے دونوں پاؤں عارضہ داء الفیل
سے پھول کر چھوٹے ہو گئے تھے اور دوسرا اُنچا تھا اُسکی ٹانگیں بگلے کی طرح تپلی
اور لمبی تھیں۔ شامت جوان دونوں کے سر پر چڑھی تو بی خام خیالی کی دم بازی
میں اگر انھوں نے بھی لین دین کر لیا۔ وہ فیل پا لم ٹنگا ہونے کے بعد کچھ عجب
ہی بیڈھنگا بنگیا جیسے کوئی اپنے قد سے لمبی بیساکھیاں کسی سینچے مقام پر پکڑی
کر کے بغلوں میں داب اُنپر ٹنگ گیا ہو اور اُنکے ساتھ آپ بھی چاروں طرف
ڈگمگاتا ہو۔ دوسرے تپلی ٹانگوں کی مناسبت سے جسم کہیں چوڑا وزنی طرفہ
تماشا تھا۔ اب بنچے کی سیر دیکھیے وہ جو اُسکے پہلے ہلکے اور تپلے پاؤں گئے اور
اب یہ ہاتھی کے پاؤں کا بوجھ اور اوپر کا بدن بالکل دُبلا ایک تو عجائب المخلوقات
بنگیا دوسرے یہ خرابی کہ پاؤں کا اُٹھانا تو درکنار گھسیٹنے پر بھی قدم آگے نہ سرکتے تھے
ان دونوں کی ایسی حیثیت تھی کہ باوصف اپنی مصیبت کے مجھکو بھی ہنسی آگئی
قصہ مختصر وہ اتنا بڑا کوہ فرسا انبارِ غم طرفۃ العین میں سارے کا سارا انھیں زن
و مرد دونوں گروہوں میں بالکل بنٹ تو گیا۔ لیکن نئی مصیبتوں میں پھنسنے سے
ہر ایک کے نالہ و زاری اور فریاد و بیقراری رونے چلانے اور ہائے ہائے
کے شور سے سارا میدان گونج اُٹھا جب سرکار (جوپی ٹر) نے دیکھ لیا کہ بنی آدم
اب اپنی اختیاری تقسیم کے مضر ہونے کے بخوبی قائل ہو گئے اور قسمت ازلی کا
عمدہ ہونا اچھی طرح مان گئے اُسوقت اُنکو بنی آدم کی دُہائیوں پر رحم آیا اور پھر منادی
ہوئی کہ اگر سب لوگ اپنی اپنی تقسیم سے نالاں ہیں تو وہ سب نئے غموں کے

بوجھے پھر اسی میدان میں جمع کردیں اور اپنے اپنے پہلے غموں کی گٹھریاں بدستور
اٹھالیجائیں۔

پریشانی کے بوجھوں میں وہ مژدۂ آسمانی گویا مردوں میں جان تازہ آگئی اور
ہر ایک بکمال شادمانی وہ نئے بوجھے پھینک پھینک کر سبکدوش کھڑا ہوگیا۔
اور وہ چلبلی عیارہ کامل مکارہ (یعنی خام خیالی) کہ جسنے آگے بندگان خدا کو بہکا بہکا کر
یوں آزار دیے تھے اُس میدان سے فضیحت اور رسوا ہونے کے بعد دھکے
دیکر نکلوا دی گئی۔ اور بجائے اُسکے ایک عورت مقدسہ نورانی صورت سن رسیدہ حلیم الطبع
خندہ پیشانی متعین ہوئی انکا نام نامی (صبوری اماں) تھا یہ مقدسہ رو بآسمان اس
انداز سے کھڑی تھی کہ گویا (جوپٹر) سے لو لگائے بنی آدم کی سفارش کررہی ہے
کہ اُنکی خطائے درگذرے۔ اِن مقدسہ کا اُس کوہ الم انسانی کے پاس آنا ہی تھا
کہ وہ بھاری دہشت ناک بلندی خودبخود اتنی گھٹی کہ پہلے کی بہ نسبت ایک تہائی سے
بھی کم رہگئی یہ (صبوری اماں) ہر ایک آدمی کو اُسکے غم والم کا پلابستہ دیتی اور یہ
نصیحت کرتی جاتی تھی کہ بیٹا اپنے ہی حصہ پر خواہ وہ میٹھا ہو یا کڑوا نرم ہو یا سخت
مشکل ہو یا آسان۔ خیر ہو یا شر۔ آفت ہو یا راحت۔ سب پر شاکر و صابر رہو اور
اپنی زندگی کا دورہ بسر کردو۔ تمام بنی آدم اُس نئی مصیبت سے مخلصی پاکر نہایت
رضامند ہوکر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوگئے اور منصفانہ تقسیم آسمانی پر شاکر و صابر رہے

اس میرے خواب پریشاں کی تعبیر میں گو میں نے اور بہت سے امور اخلاقی کی تعلیم پائی
مگر یہ بات سب سے بڑھکر سیکھی تھی کہ مجھپر زمانے کا کیسا ہی گرم و سرد سخت وحشت صدمہ گذرے
لیکن اُس سے کبیدگی نہ ظاہر کروں ہر حالت میں صابر و شاکر رہوں اور دوسرے کی شادی

اور خوشحالی پر حسد کرنے سے بچوں - اور یہ عقدہ بھی جب ہی سے حل ہوگیا کہ ہمسایہ بنی آدم کے مصائب کو جانچنا بھی طاقت بشری سے باہر ہے کبھی وو مرے کے درد جگر کو دوسرا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا - اور یہ بھی ہیں نے سیکھا کہ دوسروں کو رنج و غم میں مبتلا سے گردش دیکھکر کبھی نہ ہنسوں اور نہ انھیں اس حال میں حقیر سمجھوں بلکہ بقدر امکان کیسوں کا دردمند یاروں کا تیماردار رہوں۔

عاصم کی کہانی

عاصم نے اپنا شباب آدمیوں کے ساتھ بسر کیا تھا۔ اور بنی آدم کی دل لگی کے مشغلوں میں بھی برابر شریک ہوتا تھا اور اسے اپنی ساتھی مخلوق سے انتہا درجہ کا پیار اور برتاؤ کرنے کی تعلیم دیگئی تھی لیکن نرم دلی کے باعث اسنے اپنا سارا مال و متاع مصیبت زدوں اور محتاجوں کی حاجت برآری میں صرف کر ڈالا۔ سائل کو اسنے کبھی نامراد نہیں پھیرا۔

اس مال و متاع کے عوض میں کہ جو اسنے یوں کار خیر میں اٹھایا تھا اسکو ان لوگوں سے جنکی اسنے حاجت برآری کی تھی نیک بدلہ کی امید تھی اور خیال کرتا تھا کہ یہ لوگ میری مصیبت کے وقت کام آئینگے اور میرے سوال کو کبھی رد نہ کرینگے لیکن جب عاصم بسبب اپنی فیاضی کے محتاج ہوگیا۔ اور ان اپنے دوستوں اور دست نگروں کے پاس جنکی اسنے ہزار ہا مرتبہ حاجت روائی کی تھی باامید خبر گیری گیا تو ان لوگوں نے عاصم سے چشم پوشی اختیار کی بلکہ اسکو حاجتمند جانکر ملاقات بھی ترک کردی اور اگر اچانک رستہ گلی میں دور سے اسکو دیکھ لیتے تو راہ کو کاٹ کر چلے جاتے اور عاصم کا سامنا نہ کرتے یہ ساری باتیں آدم زاد کی جانب سے اسکے دل میں

نفرت بڑھاتی جاتی تھیں۔ شدہ شدہ یہ نفرت یہانتک بڑھی کہ اسکو آدم زاد سے پوری وحشت ہو گئی اور اُسنے یہ ارادہ کر لیا کہ جس دنیا سے اسے یوں نفرت ہو گئی اسمیں رہنا بھی لائق نہیں چنانچہ وہ سنسان و ویران مقام کو نکل گیا اور کوہ طور کی خوفناک اور بلند چوٹی کے جھلسے ہوئے آغوش میں بادلوں سے اوپر بستی سے الگ اُسنے سکونت اختیار کی۔

اُسے موسم کی شدت سے بچانے کے لیے پہاڑ میں ایک غار رکھا تھا اور جو جنگلی ساگ پات۔ پھل پھلری ہر وقت پہاڑ کے اطراف سے بٹور لاتا وہ اسکا آزوقہ تھا اور پانی اُسے اُن دھاروں سے ملتا تھا کہ جنکے سیدھے گرنے کے سبب اُنسے پانی لینا بڑا خطرناک تھا اس طور وہ بستی سے کٹ کر گزران کر رہا تھا اور وقت خاموش سوچ بچار میں بسر کرتا تھا اور بعض دفعہ دل ہی دل میں اس بات پر نازاں ہوتا کہ وہ زندگی بسر کرنے میں کسی اپنے بنی نوع کا نیازمند نہیں۔

اُس پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع جھیل اپنی بلوریں آغوش کو پھیلائے تھی اور اپنی وسیع سطح پر اُس پہاڑ کے خطروں کا عکس دکھا رہی تھی کبھی کبھی وہ اُس لمبے چوڑے آئینہ پر اتر آیا کرتا تھا اور اُسکے تکیہ دار کناروں سے کمر ٹیک کر وہ چکنا چکنا میدان جو اُسکے پیش نگاہ ہوتا اُسے نظروں سے ناپا کرتا۔ کبھی جی ہی جی میں سوچ کر اکثر بول اٹھتا۔ اے قدرت تو کیسی خوبصورت ہے یہانتک کہ جو تیری بڑی بڑی مہیب صنعتیں ہیں وہ بھی خوبصورتی کی تصویریں ہیں۔ اِس عالم کا ہر ایک حصہ خوبصورت ہے جیسا اُسے ہونا چاہیے تھا ویسا ہے اور اِس جہان کی ہر چیز اپنے اپنے طور اور مقام پر درست ہے ایک اس انسان کے سوا

یہ کمینہ انسان کائنات کا ایک ناموزوں کوڑا ساری خلقت میں اکیلا بھی ایک پلید ہے
طوفانوں اور گرد باد کسی نہ کسی فائدے کے ہیں لیکن یہ بدکار کافر نعمت انسان عالم
خوبصورتی کے مصفا صفحے کا نکما دھبا ہے میں اس نفرتی نوع حیوان میں کیوں پیدا ہوا
اے میرے اللہ کیا میں یوں ہی ہمیشہ تاریکی شک اور ناامیدی میں پھنسا رہونگا۔
ناامیدی کے لفظ کا عاصم کے منھ سے نکلنا تھا کہ اسکے دل میں یہی آئی کہ دیکھتا
کیا ہے جھیل میں ڈوب مرا اور تمام حیرانیوں اور توہمات کا ایک دم میں کہیں خاتمہ
بھی کر کوں انہیں ساری عمر پھنسا رہے اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ جلالی
صورت کا بزرگ ہے پانی کی سطح پر سیر کرتا پھرتا ہے اور سیدھا اس کنارے کی طرف
کو جسپر یہ کھڑا تھا آرہا ہے ناگہاں اسطرح کی صورت کے نمود ہونے سے وہ جست
کرنے سے رک گیا اور اسکی آنکھیں اس نورانی کے چہرہ سے گویا کسی نے
سی دیں اور ایک فکر اسپر طاری ہوئی کہ اس شکل میں یہ کیا جلال اور قدرت الٰہی آشکار ہے
اس بزرگ نے آواز دی۔ او بنی آدم خبردار اس مجنونانہ حرکت سے باز رہ
مومنوں کا باپ تیری منصف مزاجی زہد تقوی اور تیرے غموں کا دانا بینا۔ ہے
اور اسنے مجھے تیرے درد دل کی چارہ گری کے خاطر بھیجا ہے۔ اپنا ہاتھ مجھے
دے ڈر نہیں میرے پیچھے پیچھے چلا آ اور تو نے مجھے پہچانا بھی کہ کون ہوں میں
رسول خدا کی طرف سے ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے رجال الغیب ہوں
کہ جو کسی حیرت یا استعجاب کے سبب بلکہ سیدھی راہ سے جان بوجھ کر بھٹکتے ہیں
میری پیروی کر اور عقل پکڑ۔
عاصم اسی دم جھیل پر اتر پڑا اور اسکا رہبر اسے برابر پانی کی سطح کے اوپر

نے چلایا یہانتک کہ اُس جھیل کے وسط میں پہونچے وہاں لگے غوطے کھانے پانی
اُنکے سر پر بھر گیا کبھی جب قعر میں چلے گئے عاصم نے تو یہی جانا کہ جاں اب گئی
مگر ہاتھ پاؤں جو لگے تو خود کو اپنے آسمانی رہبر کے ہمراہ ایک نئی دنیا میں پایا اس مقام پر
کبھی آدمی کے قدم نہ آئے تھے جب اُسنے ٹھیک روئے زمیں کے سورج کے
مانند وہاں بھی آفتاب اپنے سر پر چمکتا دیکھا اور تختۂ گلزار زمیں قدم تلے نظر پڑا عاصم کا
وہ اُس وقت کا تعجب بیاں سے باہر ہے ۔

اتنے میں اُس نورانی رہبر نے کہا او عاصم یہ تیری حیرانیاں مجھے صاف نظر
آرہی ہیں ۔ مگر کچھ دیر کے لیے انکو دور کر اور جو میں کہوں اُسے دل لگا کر سن یہ دنیا
رسول کریم کی درخواست سے انھیں کے زیر نگرانی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی اور تمسے
ملاقات ہونے کے وقت جو شکوک تمھارے دل میں تھے اور جنکے سبب تم خودکشی
پر آمادہ تھے وہی رسول مقبول کو بھی تھے اِس دنیا کے باشندے سب باعقل و
باشعور ہیں اور انہیں برائی اور بدی مطلقاً نہیں برائی سے کلیتاً پاک ہیں ۔

یہ زمیں اوپر کی زمیں سے کسی بات میں کم زیادہ نہیں سوا اُسکے کہ یہ ایسے
لوگوں سے آباد ہے جو کبھی گناہ نہیں کرتے اور اگر یہ دنیا اُس جہاں سے کہ
جسے تو چھوڑ آیا ہے تیرے پسند خاطر ہو تجھے اجازت ہے کہ اپنی عمر کے باقی دن
یہیں پورے کر مگر اتنا کر کہ مجھے برائے چندے اپنے ساتھ رہنے دے کہ جو کوئی
شک و شبہہ کا معاملہ تیرے سامنے آئے میں تجھے سمجھا دوں اور اس جدید مسکن
کے لوگوں کو تجھے پہچنوا دوں ۔

یہ سنکر عاصم کو اور بھی حیرانی ہوئی اور فرط طرب سے چیخ اٹھا کہ یا آلٰہی یہ دنیا ہے

اور بدی سے خالی ہے اور اسکے باشندوں کو عقل وشعور ہے اور فنا نہیں اے میرے خالق یہ مجھ نالائق کے حال پر تیری کمال مہربانی ہے کہ تونے مجھے ایسے مقام پر پہونچا دیا جسکا میں ہمیشہ سے آرزومند تھا آخر تونے میری دعا قبول کی ضرور اس نئی دنیا میں مجھے روحانی مسرت اطمینان زندگی اچھے لوگوں کی صحبت یہ سب حسب مراد میسر آئینگی۔

اس نورانی نے کہا اس قسم کے حیرت زدوں کی باتوں سے باز آ اپنے چار طرف دیکھ اور جو اشیا مدنظر ہیں اُنپر غور کر اور تیری فکر وقیاس میں جو بات نہ آئے مجھسے بیاں کر جہاں مناسب جانے مجھے لے چل مجھے ایک اپنا خادم معلم پائیگا عاصم اور اُسکا رفیق دونوں ساتھ ساتھ کچھ دور تک خاموش چلے تھے عاصم پر تو مارے حیرت کے کچھ دیر تک ایک طرح کی از خود رمیدگی چھائی رہی مگر جب اُس مزہ دار حیرت سے ہوش میں آیا وہاں کی چیزوں کو اُسنے بغور دیکھنا شروع کیا ہر بات کو اسقدر اوپر کی زمیں اور دنیا سے ملتا پایا کہ گویا وہ مقام بالکل وہی ہے جو اُسنے تھوڑی دیر ہوے چھوڑا تھا۔

عاصم کو جیسے ہی وہاں یہ شکاری جانور اور اُنکی خوراک کے سارے چرند پرند نظر پڑے کمال حیرت ہوئی کہ ہیں اس جہاں صلح آباد میں اس بیدردی کے کیا معنی اور بے اختیار اسکے منھ سے یہ بھی نکلا کہ اگر مجھے دم مارنے کی اجازت ہوتی تو میں اتنا تو ضرور عرض کرتا کہ اگر یہ جہاں صلح آباد ہمارے نبی کریم کے مشورہ کے مطابق بنایا تھا تو رسول کریم کی شان سے یہ بات بہت دور تھی کہ اُنھوں نے اس مقام پر شکاری جانوروں کے خلق ہونے کے وقت اللہ کی حضور عذر نہ کیا اور

یہ شکار کی بیدردی روا رکھی۔ اسکے جواب میں اُس نورانی نے مُسکرا کر کہا کہ مجھے ذرا
شک نہیں رہا کہ تم انتہا درجہ رحم دل ہو یہانتک کہ ان چھوٹے چھوٹے اور ادنا درجہ کے
جانوروں پر تمھاری شفقت کا یہ حال ہے۔ لیکن نہ معلوم اسمیں خالق اکبر کی کیا
حکمت ہے کہ اُسنے ایک جانور کو دوسرے کا رزق بنا دیا ورنہ نباتی پیداوار سے
سب کے لیئے کافی رزق نکل آتا اور اسپر طرہ یہ ہے کہ لازم تو یہ تھا کہ شکاری جانوروں کے
ستمسے چند عرصہ میں کوئی خوردنی جانور نہ بچتا مگر پھر اُسکی قدرت دیکھتے ہیں گوشت خور
جانوروں کی نسبت اپنا گوشت دوسروں کو کھلانے والے چرند پرند کے گلے کے
گلے اور جھنڈ کے جھنڈ نظر پڑتے ہیں مگر اُسکی حکمتیں وہی جانے ہمیں اس جھگڑے
سے کیا واسطہ آگے بڑھیں اور بستی کو دیکھیں کہ اسمیں کیا حال ہے اور وہاں سے
ہمیں کیا کیا تعلیم حاصل ہوتی ہے۔

یہ نورانی اور عاصم جھٹ پٹ جنگل کو طے کرکے آبادی میں جا پہونچے ایسے
لوگوں کی بستی تھی جو ہر قسم کے گناہ اور برائی سے پاک تھے عاصم کی تو سو جان و دل
سے یہ آرزو تھی کہ جس بیگناہ بستی کا وہ سدا سے آرزومند تھا جو اب اُسے نصیبوں سے
یوں ہاتھ آئی اسکا تمام مزہ خود ہی لوٹ لے لیکن یہاں کچھ اور ہی اتفاق ہوا جنگل کی
حد سے نکلتے ہی ایک عجیب معاملہ اُنکے نظر پڑا کہ ایک آدمی جان چھوڑے بھاگا جاتا ہے
یہ حیران تھے کہ اِسکے پیچھے کون بلا آفت اسے یوں رگید رہی ہے کہ دیکھتے کیا ہیں
کہ گلہریوں کا جھنڈ ہے دم اُٹھائے اُسکے پیچھے دوڑا چلا جا رہا ہے اور اُسکے
خوف سے وہ اسطرح سراسیمہ بھاگا جاتا ہے عاصم اس تماشہ سے حیران ہو گیا
اور چلایا یا اللہ یہ کیا بات ہے جو یہ انسان ان حقیر و عاجز جانوروں سے یوں ہوش باختہ

کہ گویا شیر اسکے درپے ہے بھاگا جاتا ہے عاصم کی نگاہ ابھی کلہریوں اور اس آدمی
کی جانب سے ہٹنے نہیں پائی تھی کہ ایک اور انسان اُسے نظر پڑا بے تحاشا دوڑا جاتا ہے
اور دو سے تین اُسکے تعاقب میں ہیں اور وہ بھی اُنسے اپنی جان بچانا چاہتا ہے عاصم نے
چلاکر اپنے رہبر سے کہا صاحب میں یہ حیرتناک باتیں کس قسم کی دیکھ رہا ہوں اُنکا
کچھ سبب میری سمجھ میں نہیں آتا اُس نورانی نے جواب دیا کہ اس ملک میں جانوروں
کی ہر قسم بڑھتے بڑھتے بڑی زبردست ہوگئی ہے اور اُنھوں نے جو آدمیوں کو بے آزار
دیکھا اب اُنکو حیران کر رہے ہیں اور آدمیوں نے اپنی طبعی نرمی اور رحمدلی کے باعث
کسی جاندار کو مارنا ستانا جائز نہ سمجھا پھر ہر طرح کا جانور کیوں نہ بڑھتا اور کیوں نہ انسانوں پر
دلیر ہوتا جیسے بناتات نہ خود کو بچا سکتے ہیں اور نہ اپنے ستانے والے کا مقابلہ کر سکتے ہیں
جس چرند پرند کا جی چاہتا ہے اُنکو چر جاتا ہے خراب کر جاتا ہے یہی حال یہاں
کے آدمیوں کا ہے کہ اطراف کے جانور انپر پل پڑتے ہیں اور جو چاہتے ہیں نقصان
کرتے ہیں اُسکے جواب میں بے اختیار عاصم کے منھ سے نکلا ان جانوروں کو
مارکھانا تھا اور دیکھا رحم بیجا اور غفلت کا نتیجہ کہ یہ موذی کسقدر بڑھ گئے
اور ڈھیٹ ہوگئے ہیں —

بجواب اسکے اُس نورانی نے کہا ہیں عاصم کیوں وہ تمھاری رحمت اور نرم دلی
اب کہاں گئی جو ادنی درجہ کے جانداروں کی نسبت ابھی ظاہر کی تھی یہ کہکر وہ نورانی ہنس پڑا
اور اُسنے اتنا اور بھی کہا واہ عاصم وہ اتنی سی بات دیکھکر تم ادنی درجہ کے جانداروں کے
متعلق اپنے انصاف کا حصہ بھول گئے۔ عاصم نے کہا ضرور ہوا کہ میں اپنی خطا کا اقرار
کروں اور اب میں قائل ہوگیا کہ انسان کو اپنی حفاظت کے لیے بے نطق جانوروں کی

خلقت سے بغیر ظلم اور ناانصافی کے چارہ نہیں اب بہتر یہی ہے کہ ہم ان باتوں سے قطع نظر
کریں اور اس امر کو دریافت کریں کہ اس صلح آباد میں انسان کے باہمی تعلقات و برتاووں کی
کیا صورت ہے۔

جیسے ہی وہ ملک میں آگے بڑھ چلے اُنکو نہ کوئی خوبصورت شہر نظر آیا نہ مقام نہ معبد
نہ باغ نہ کھیت نہ گاؤں نہ بستی بلکہ انسان کا نشان تک نہ دیکھ پڑا اب عاصم کی حیرانی کا
کچھ حال ہی نہ پوچھو مگر عاصم کی تمام حیرت زدگی اُسکے رہبر نورانی کو معلوم ہوگئی اور اُسنے
رفع استعجاب کے لیے کہا کہ بھائی تعجب کی کون سی بات ہے شروع سے اس جہان
صلح آباد کے باشندے اپنی قدرتی سادگی پر صابر و شاکر ہیں یہاں کے ہر ایک باشندے
کا ایک گھر تھا لیکن بالکل سادہ و بے رونق و بے آرایش بس اتنا کہ جسمیں اُسکا چھوٹا سا
گھرانا بمشکل بسر کرے اور یہاں کے لوگ ایسے فروتن و منکسر مزاج ہیں کہ اُنسے
یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی قسم کی نمایش و خود آرائی کا ساماں روا رکھیں کہ جس سے اُنکے
دل میں غرور اور دوسروں کے دل میں انکی آسودہ حالی سے حسد پیدا ہو عاصم اس
جواب سے اور زیادہ متعجب ہوا اور اُسنے پوچھا کہ کیا آپکی بستیوں میں معمار سنگتراش
رنگساز وغیرہ یہ چھوٹے درجے کے پیشہ ور بھی نہیں یہ سب تو لوازم انسانیت سے
ہیں اور کوئی ایسی بات نہیں کہ جنسے اصلی اخلاق میں فرق آئے بھلا یہ سب تو ہوا
اب آپ یہ عنایت کریں کہ یہاں کے جو بڑے بڑے لوگ ہیں مجھے انکی خدمت میں
لے چلیں اور دنیا میں سب سے زیادہ میری خوشی کی بات عقلا کی صحبت اور دانشمندوں
کی عالمانہ گفتگو ہے میں دانائی کا عاشق ہوں عقل کا نام سنکر عاصم کا پیشوا خوب ہنسا
اور بولا بھائی عاصم یہاں کوئی عقل و قل کا نام تک نہیں جانتا کہ عقل کیسے کس چڑیا کو

ہین یہان عقل سے کام کسے پڑتا ہے اور ایک نئی بات کا جاننا نہ جاننا برابر ہے عقل جو
آدمی کو درکار ہوتی ہے اس بات کے معلوم کرنے کے لیے کہ اُسپر کیا کیا بات
اور جب یہان یہ حال ہو کہ باہمی فرائض ایک سرے سے نہ ہون جسے جو کچھ
اپنی ذات کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے وہ کرتا ہے تو پھر عقل سے کیا واسطہ۔
میرے نزدیک بے سود حیرانیون اور شیخ چلی کے منصوبون کا نام عقل ہے اور حصول
لذت کے واسطے عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور لذت کی جڑ فضولی۔ عیاشی بخل
وغیرہ ہین اور خدا نے ہمین اُنسے بے پروا بنایا ہے۔ بجواب اسکے عاصم نے
کہا کہ یہ ساری باتیں سچ ہوں مگر یہاں کے لوگوں میں جو کس مپرسی اور کشیدگی دیکھتا ہوں
اس سے بڑا حیراں ہوں کہ ہر ایک خاندان دوسرے سے بالکل علیحدہ اور جدا
محض اپنی اپنی حدوں میں رہتا ہے نہ کسی سے کسیکا ارتباط نہ میل جول ——
نورانی نے اُسکا یہ جواب دیا کہ بیشک عاصم یہ تمھارا کہنا سچ ہے لیکن یہاں کوئی
بستی نہیں نہ کوئی باقاعدہ جماعت یا صحبت ہے اور نہ کبھی ہوگی دنیا میں تمام بستیاں
جماعتیں صحبتیں جو اکٹھی ہوئیں دو باتوں سے ڈر سے یا دوستی سے۔ اور جن لوگوں میں
ہمارا اتفاق ہے وہ ایک دوسرے کے حق میں یہانتک نیک ہیں کہ اُنکے لیے
بیچ کی دوستی کی کوئی وجہ و ضرورت ہی باقی نہیں رہی اور ایسے مقام پر کہ جہاں
ہر شخص لائق و فائق ہو کیوں نہ ایک دوسرے سے بے نیاز رہے عاصم بھی
چپ ہو جانے والا اسامی نہ تھا اب آپ فرماتے ہیں کہ بھلا یہ بھی یوں ہی سہی
مجھے تو یہاں عمر بسر کرنی ہے اس مقام پر مہذب دنیا کے ہنر فن نصیب ہوتے
رہے نہ سہی عقل نہ سہی دوستی نہ سہی مگر اتنا تو ہو کہ ایک آشنا صورت تو ملجائے بات چیت ہی

رفیق ہو کہ وہ اپنے دل کی مجھسے کہے اور میں اُس سے اپنے دل کی کہوں ہیا
اس عالم کس مپرسی میں اُسی کو غنیمت جانونگا نورانی نے کہا کہ ان باتوں کی یہاں
کسی طرح اجازت نہیں اور اس مقام پر دانائی ایک بیجل سوال ہے ۔

عاصم نے یہ خلاف مراد جواب سُن کر جی میں کہا خیر یہ کچھ بھی نہو نہ سہی اس مقام پر
یہ بات کیا کم ہے کہ یہاں کے لوگ سب کے سب خوش تو ضرور ہونگے کیونکہ ہر ایک
اپنے حصہ پر شاکر اور صابر ہے اور نہ اُسے دوسرے کے حصہ کی طمع ہے کہ حرص
کے عذابوں سے بچنے کو دوسرے کا مال بجبر و تعدی چھیننے کی کوشش کرے اور کے
دل کو دکھائے اور خود دُکھ پائے اور یہ آرام یہاں کے لوگوں کو کیا تھوڑا ہے کہ
اِنکو دوسروں کی برائیوں اور مصیبتوں پر تاسف کا کبھی موقع نہیں ہوتا یہ خیال ابھی
کر رہا تھا کہ ایک آواز کان پر طمانچہ کی طرح پڑتے معلوم دی اور وہ ایک بلانصیب کا
آہ و نالہ تھا جو سڑک کے کنارے نہایت بُری حالت میں بیٹھا ہوا اپنی مصیبتوں پر
رو پیٹ رہا تھا دردمند کی آواز سُن کر بھلا عاصم کو قرار آئے یہ ممکن نہ تھا اُسکی طرف
دوڑا پاس جا کر کیا دیکھتا ہے ایک مدقوق ہے اور عارضۂ سل کی شدت سے بیتاب ہے
عاصم نے چلا کر کہا اے آدم زاد کیا عجب بات ہے کہ جو لوگ بُرائی اور گناہ سے
یوں پاک اور بری ہوں اور وہ یوں دوسرے کو کرب و شدت میں مبتلا دیکھیں اور
اُسکی بات بھی نہ پوچھیں ۔ وہ آفت زدہ جو یُوں مر رہا تھا اُسنے کہا او اجنبی تو کیوں
اس بات کا طعنہ دیتا ہے کیا اُن لوگوں کے حق میں کہ جنکے پاس صرف اتنا ہے
کہ مشکل سے اپنی گذران کریں اور اپنے حصہ پر قانع ہیں یہ سخت ظلم نہو گا جو وہ خود
کو بھوکا رکھکر اپنا لقمہ میرے مُنھ میں ڈالیں ۔ یہاں کے لوگوں کو ایک ٹکڑا پیٹ بھرنے

زیادہ میسر نہیں اور جو مشکل سے کافی ہو خیرات میں نہیں دیا جا سکتا۔ عاصم نے جواب دیا
یہاں کے لوگوں کو لازم تھا کہ بمایحتاج سے زیادہ اپنے پاس رکھتے کہ وہ مصیبت زدوں
کی امداد کے لیے ایک ذخیرہ ہوتا لیکن ساتھ اُسکے دل نے الزام دیا کہ اے شخص جس
مقام کا یہ حال ہو کہ جہاں استغنا اور بے پروائی علی العموم ہو تو یہ کب ممکن ہے
کہ کسی کا احسان اپنے سر لیا ہو یا کسی سے احسان کیا ہو اور ایک دوسرے
سے بے پروا ہونے کے سوا ایک اور چھپا وصف یہاں کے لوگوں میں بھی
معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حب وطن انتہا درجہ کی ہوگی اور یہ اُس خوبی کی دل و جاں
سے قدر کرتے ہونگے وہ نورانی عاصم کے اس خیال پر غصہ سے بولا او عاصم غزنی
عاصم دل کو برقرار رکھ کیا تیری عقل یہاں آتے ہی کہیں چلی گئی تمام وہ خود
کے اسباب کہ جنکی وجہ سے یہاں ہر شخص اپنی غرض کو دوسرے کی احتیاج سے
مقدم جانتا ہے تو اتنا بھی سوچ نہیں سکتا کہ یہیں وہ اس مقابلہ میں بھی بھگاتے
ہونگے کہ ہمارا ملک دوسرے ملکوں سے اچھا ہے کوئی بات جو فیض عام سے
درجے میں کم ہو بُرائی سے خالی نہو گی اور یہاں اُسی کا برتاؤ ہے یہ سن کر تو
اُس اُمید کے نادیدہ تماشائی سے نہ رہا گیا اور چلا کر بولا میں جب سے یہاں آیا کیا
کیا باتیں میرے سننے میں آتی ہیں اور میں کس دنیا میں آپڑا ہوں یہاں اگر
کوئی خوبی ہے تو یہ پرہیزگاری ہے جسکا یہاں کثرت سے رواج ہے لیکن
اس وصف میں تو حیوانات یہاں کے لوگوں سے بڑھکر ہیں مچھلی کب پانی
سے نکلکر خشکی میں قدم رکھنا چاہیگی شیر کبھی نباتات خور جانوروں کے چارہ
پر نظر اُٹھاکر نہ دیکھیگا بکری بھیڑ کیسا ہی فربہ گوشت ہو اُسپر تھوکے گی نہیں

اگر یہاں کے لوگوں نے دوسروں کے حصہ پر نگاہ نہ کی تو کیا بڑی بات کی اور کوئی انسانی خوبی تو اسمیں نہیں ایک عیش کی بات بھی تو اس اُجڑے دیار کے لوگوں کو نصیب نہیں یہاں کا کوئی باشندہ یہ بھی نہیں جانتا کہ شجاعت استقلال مروت سخاوت دوستی دانائی خوش بیانی کس جانور کا نام ہے یہاں بڑی خوبی اسمیں ہے کہ بدی نہ جانے مگر اس نہ جاننے کے ساتھ انسانی نیکیاں بھی جانے جب تو بات ہے اے میرے پیشوا اپنی نیکیوں کے صدقے میں تو مجھے پھر اُس ملک کو پہونچا دے کہ میں جسے حقیر جانتا تھا اور جسے خدا نے اپنی دانائی کے مطابق بنایا اُسکی خطا عقل انساں کی پُر خطا سمجھ سے بہت اونچی ہے لوگوں سے جو احساں فراموشی حقارت و نفرت میں نے دیکھی اُس سے سو درجہ زیادہ سہنے کے لیے میں تیار ہوں شاید میں اسی قابل ہونگا جب میں نے الٰہی دانائی کو اپنی عقل خام سے مقابلہ کر کے دیکھا مجھے میری نادانیاں نظر آگئیں آیندہ یہ میرے لیے کافی ہے کہ میں خود بدی سے باز رکھوں اور جو دوسروں کو بدی میں دیکھوں اُنپر افسوس کروں۔

یہ فقرے ابھی عاصم کے منھ سے تمام ہونے نہ پائے تھے کہ اُس نورانی کے ایک ذرا سے اشارے میں بجلیاں طوفان۔ کڑک شور سب آموجود ہوا اور وہ بگولے کی صورت بنکر غائب ہو گیا عاصم اس کرشمہ سے گھبرا اُٹھا اور حیرت سے اودھر اُدھر تاکتا تھا کہ میں کس طلسمات میں آپھنسا ہوں کیا دیکھتا ہے کہ نہ کوئی نئی دنیا ہے نہ نئے آدمی ہیں نہ وہ نورانی ہے جھیل کے جس کنارے پر کھڑا تھا اور جہاں اسکی طبیعت میں رنج و قلق اور تفکر پیدا ہوا تھا وہیں ٹھہرا ہے اور اسکا داہنا پاؤں زمیں سے اُٹھ چکا ہے کہ پانی میں جست کرے اور ڈوب مرے ۔ سالہا سال کی

...یاں پروردگار نے اپنے فضل وکرم سے ایک چشم زدن میں دور کردیں اور اُسکی غلط اندیشیاں اُسپر واضح کردیں اور ایک عمر کی شکلیں طرفۃ العین میں حل کردیں عاصم نے سجدۂ شکر ادا کیا اور سوچا کہ آدمیوں سے وہ جو اُسے بیمروتی احسان فراموشی اور بدکاری کی شکایتیں تھیں وہ درحقیقت اپنے بے سوچے سمجھے برتاؤ اور ناتجربہ کاری کی تقصیر وخطا تھی اور ویرانہ میں بے فیض اور نکما پڑے رہنے سے اسمیں بھلا ہے کہ اور وں سے فائدہ خود اُٹھائے اور دوسروں کو جہانتک ہوسکے فائدہ پہونچائے چنانچہ جو عقل و دانش عاصم نے برسوں کے کنج تنہائی اور سکونت میں حاصل کی تھی اُسے بنی آدم کے کام میں لگانے کی غرض سے وہ جنگل سے نکل آبادی کو لوٹا اور ایک آباد شہر میں اسنے تجارت کا پیشہ اختیار کیا یہ بھی اس غرض سے کہ اُسکا لوگوں سے اور لوگوں کا اُس سے ارتباط وتعلق بڑھے صحبت کا فائدہ پہونچانے اور فائدہ حاصل کرنے کی [illegible] صورت نکلے خدا نے بہت تھوڑے سے عرصہ میں عاصم کی نیک نیتی اور معاش کو ترقی دی نوکر چاکر خدم وحشم بھیڑ بھڑ کا سب کچھ پیشتر سے بیشتر اکٹھا ہوگیا شہر کے چاروں کونوں سے اُسکے پُرانے دوست اُسکی خدمت میں ٹوٹ پڑے اور اُسنے سب سے بکشادہ پیشانی برتنا اور اُنکو حُسن خلق کی زنجیر میں جکڑ ڈالا کیا ایک سے بھی اُسنے پہلی بیمروتیوں کی شکایت نہ کی اور وہ تنہائی عسرت اور رنج اور سختی کی جوانی فراغت آسایش تزک واحتشام کی پیرانہ سالی پر جاکر تمام ہوئی اور جیسا عاصم کا انجام بخیر ہوا خدا تمام دوستوں کا بھی ایسا ہی خوبصورت انجام عطا کرے۔